ادبی فروگذاشتیں بھی ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے وہ ایک کامیاب نظم ہے، اور بعض نظموں میں کہنہ مشقی کی شان نمایاں ہے، اور متفرق اشعار تو بہت سے بلند پایہ نکلیں گے، یہ شاہنامہ لکھکر مصنف نے ایک مفید ادبی و دینی خدمت انجام دی ہے، ایسی نظموں کی اردو میں بڑی ضرورت ہے،

ترجمان غالب ۔ ازجناب شہاب الدین مصطفےٰ صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۴ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد دکن،

یہ دیوان غالب کی نئی شرح ہے، اس کی اتنی شرحیں لکھی جاچکی ہیں کہ اب کسی جدید شرح میں مشکل سے کوئی نئی بات کہی جاسکتی ہے، ہم نے اس شرح کو جابجا سے دیکھا، مصنف نے عموماً قدیم شرحوں کو اختصار اور سلیقہ کے ساتھ جمع کردیا ہے، کہیں کہیں جدت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، مگر اس میں بھی کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، یہ شرح غالباً طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے، اور ان کے لیے مفید ہے، شارحین اگر کچھ دنوں تک اقبال اور غالب کے کلام کو دم لینے دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

لغات القرآن ۔ مرتبہ شہید الدین صاحب مرحوم، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴۱ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی

ادھر چند برسوں کے اندر اردو میں لغات القرآن کی متعدد چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں، یہ نئی کتاب مولانا شہید الدین مرحوم کی تالیف ہے، اس میں کوئی خاص خصوصیت یا نیا اضافہ نہیں ہے، حروف تہجی کی ترتیب سے لغات قرآنی کے مختصر اردو معنی لکھ دیئے گئے ہیں، اور قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کے بارہ میں سیوطی نے اتقان میں علماء وائمہ کی جو رائیں لکھی ہیں اور ان الفاظ کی جو فہرست دی ہے اس کو مع تشریح کے نقل کردیا گیا ہے، یہ کتاب طلبہ کے لیے مفید ہے۔

"م"

نمبر ۶ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۷ء، جلد ۸۰

مضامین

شذرات

حکومت کشمیر نے پانچ ہزار سالانہ دارالمصنفین کی امداد مقرر کر کے جس علم دوستی کا ثبوت دیا ہے، اس کے لیے صرف ارکان دارالمصنفین بلکہ پورا علمی حلقہ عزت مآب بخشی غلام محمد وزیر اعظم کشمیر اور مسٹر مسرا وزیر تعلیم کا شکر گذار ہے، اس گرانقدر امداد سے دارالمصنفین کو بڑا فائدہ پہنچا، اور وہ بڑی مالی مشکلات سے بچ گیا، اس کی مزید امداد کی ایک صورت اس کی کتابوں کی خریداری بھی ہے، اب ہندوستان میں کشمیر ہی ایک ایسی ریاست رہ گئی ہے جس کی سرکاری زبان اردو بھی ہے، ہم کو آنریبل وزیر اعظم اور وزیر تعلیم کی علم دوستی سے توقع ہے کہ وہ کشمیر کی لائبریریوں اور تعلیم گاہوں کے لیے دارالمصنفین کی کتابوں کی خریداری سے اس کی امداد فرمائیں گے،

اردو کے خلاف فرقہ پرستوں کے مسلسل پروپیگنڈے کے باوجود ہندوستان کی رائے عامہ روز بروز اس کے موافق ہوتی جاتی ہے اور اب ایک محدود تنگ نظر اور تنگ دل جماعت کے علاوہ ہر مذہب و ملت کا منصف مزاج طبقہ اردو کے واجبی حقوق کا حامی اور اس کے مطالبہ میں اردو کے کارکنوں کے ساتھ شریک ہے جس پر اس کے بیانات اور مضامین شاہد ہیں، اور مرکزی انجمن ترقی اردو کی جانب سے آخر دسمبر میں دلی میں جو اردو کانفرنس ہو رہی ہے اسکی مجلس استقبالیہ اور کارکنوں میں بھی ہر فرقے کے لوگ شامل ہیں، حتی کہ ملاپ اور پرتاپ جیسے اخبارات بھی اس کانفرنس کی پوری حمایت کر رہے ہیں، یہ اسکا ثبوت ہے کہ اردو کی آواز ہندوستان کے جمہور کی آواز ہے، جسے ایک جمہوری حکومت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے،

درحقیقت ہندی پرستوں کی زیادتیوں نے پورے ہندوستان کو چونکا دیا ہے، اور انکی تنگ نظری اور

آمرانہ ذہنیت کے خلاف ہر صوبہ سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں، پنجاب اور جنوبی ہند کے واقعات سب کی نگاہ کے سامنے ہیں، اگر ہندی پرستوں کی ذہنیت نہ بدلی تو ہندی کی مخالفت اور شدت اختیار کرلے گی، اس لیے ہندی کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ اسکو بڑھانے کیلیے دوسری زبانوں کو دبایا نہ جائے، دوسری زبانوں کے مقابلہ میں اردو کا مطالبہ تو بہت کم ہے، وہ ہندی کی ہم سری کی مدعی نہیں ہے، بلکہ صرف اس قدر چاہتی ہے کہ جن صوبوں میں وہ بولی جاتی ہے وہاں سے اس کو مٹایا نہ جائے، اور اس کو اسکے واجبی حقوق مل جائیں جس سے اسکی ہستی قائم رہے، اب اقلیت کی زبانوں کا مسئلہ اس منزل پر آگیا ہے کہ مرکزی حکومت کو بہرحال اس کے متعلق کوئی نہ کوئی واضح فیصلہ کرنا پڑے گا، ورنہ اس کو آیندہ بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اردو کی نصابی کتابوں کا مسئلہ بھی کچھ اہم نہیں ہے، ہم اس پر پہلے بھی لکھ چکے ہیں، اول تو اردو کتابوں کا قحط ہے، کتابیں نصاب میں داخل ہیں، مگر بازار میں نہیں ملتیں، اور جو ملتی بھی ہیں وہ کسی حیثیت سے بھی نصاب میں شامل ہونے کے لائق نہیں ہیں، ان کی زبان اتنی خراب ہے کہ اس کو اردو کہنا اردو کی توہین ہے، اور اسکے مقابلہ میں ہندی پڑھنا کہیں بہتر ہے، ان کے خیالات اور مضامین تمامتر ہندو مذہب اور ہندو کلچر کی ترجمانی ہے، مسلمانوں کی تہذیب و روایات کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑنے پایا ہے، اور جہاں بھولے سے ان کا ذکر آگیا ہے وہاں اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کی شکایتیں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں، اسکولوں میں مسلمان بچے بھی پڑھتے ہیں، جو بچے ان کو پڑھیں گے ان کو اپنی تاریخ و تہذیب سے کوئی واسطہ نہ رہ جائے گا، بلکہ آیندہ نسلوں میں نام کے علاوہ ان میں اسلام کی کوئی نشانی باقی نہ رہے گی، جس کے نمونے ابھی سے وابستگانِ حکومت میں نظر آنے لگے ہیں،

تعلیم کے ذریعہ کسی قوم و ملت کی خصوصیات کو مٹانا جبری تبدیلی مذہب سے کم قابلِ الزام نہیں ہے،

اور ایک سیکولر حکومت کے لیے انتہائی افسوسناک ہو تعلیمی کتابوں کو اس قسم جانبداری سے بالکل پاک ہونا چاہیے، ایسا تو انگریزی دور میں بھی نہ ہوا تھا، ان کا نظام تعلیم بڑی حد تک سیکولر تھا، انھوں نے اپنی تہذیب و روایات کو اس طرح جبراً مسلط کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، یہ اور بات ہو کہ حاکم قوم کی تہذیب قدرۃً محکوم پر اثر انداز ہوتی ہو اور مغربی تمدن ظاہری اور مادی حیثیت سے اس قدر دل آویز تھا اور اس کی پشت پر علم و سائنس کی ایسی قوت تھی کہ وہ خود بخود پھیل گیا لیکن اسکا اثر کسی فرقہ کی مذہبی وملّی روایات پر زیادہ نہیں پڑنے پایا۔

مسلمانوں کی تاریخ و تہذیب تو ایسی شاندار ہو کہ ایک دنیا نے اس سے علم و تہذیب کا سبق سیکھا ہو، انکے مقتدی عالم انسانیت کے محسن اور انکے کارنامے دنیا کیلیے رحمت تھی، ہندوستان کے باہر کی تاریخ چھوڑ دیے اگر صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کو لیا جائے تو کیا وہ اخلاقی و روحانی اور علمی و تمدنی کسی حیثیت سے بھی کم ہے، اور اس قابل نہیں ہو کہ تعلیمی کتابوں میں جگہ پائے، اس کے آثار تو آج بھی ہندوستان کی زینت ہیں۔ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

یہ مذہبی نہیں بلکہ تعلیمی و تہذیبی مسئلہ ہے، اس لیے انجمن کو اس کی جانب بھی توجہ کرنا چاہیے۔

ابوالحسن علی بن حسین المسعودی المتوفی سنہ ۳۴۵ھ چوتھی صدی کا بڑا نامور، وسیع النظر اور کثیر التصانیف مورخ و جغرافیہ داں ہو، گو اسکی دو ہی کتابیں چھپی ہیں، مروج الذہب و معدن الجواہر اور التنبیہ والاشراف بعض کتابوں کے کچھ اجزاء پائے جاتے ہیں، باقی تصانیف ناپید ہو چکی ہیں جنکے صرف نام کتابوں میں ملتے ہیں، مسعودی ہندوستان بھی آیا ہو اور مروج الذہب میں یہاں کے حالات لکھے ہیں، اسلیے اسکو ہندوستان سے ایک گونہ تعلق ہو، اسکی علمی عظمت کے اعتراف میں شعبۂ علوم و فنون اسلامی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کیجانب سے سنہ ۱۹۵۸ء کے شروع میں اسکی ہزار سالہ برسی منائی جا رہی ہو جسمیں ہندوستان کے علاوہ بیرونی ملکوں کے فضلاء کو بھی شرکت کی دعوت دیگئی ہو، اسکے مقالہ نگاروں کی جو فہرست ہمارے پاس آئی ہو اس سے معلوم ہوتا ہو کہ بیرونی اہل علم نے بھی اس تقریب کے لیے مقالات لکھے ہیں، اس سلسلہ میں ہندوستان میں علوم اسلامیہ کی بھی ایک کانفرنس ہو گی جسمیں اسکے علمی و تعلیمی مسائل اور اسکے تحقیقی اور تصنیفی کاموں پر بھی غور کیا جائیگا، امید ہو کہ ہندوستان کے اہل علم و قلم ان دونوں تقریبوں کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔

ان سطور کی کتابت ہو چکی تھی کہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر ملی، اس لیے اس حادثہ پر آیندہ مہینہ لکھا جائے گا۔

مقالات

مدارجِ سلوک

از
ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ

تا نسوزی بر نیاید بوئے عود   پختہ داند ایں سخن با خام نیست

سلوک کے لغوی معنی راستہ چلنے کے ہیں، جو ایک حسّی عمل ہے، جس کو ہم "انتقال مکانی" سے تعبیر کر سکتے ہیں، اصطلاحی معنی میں سلوک سے مراد انتقال مکانی نہیں بلکہ "انتقالِ معنوی" ہے، "سیر انفسی" ہے، اس کو مرتبۂ نفس میں "تزکیہ" کہا جاتا ہے۔ "تزکیۂ نفس" سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اس کے حیوانی مذموم اوصاف سے پاک و صاف کر کے اوصاف حمیدۂ ملکی سے آراستہ کیا جائے اور اس کو صفت امارگی سے نکال کر صفت "لوامگی" اور پھر صفت "مطمئنگی" سے موصوف کیا جائے، یہاں سلوک انتقال مکانی نہیں بلکہ انتقال معنوی ہے یعنی صفات مذمومہ سے صفات محمودہ کی طرف سیر انفسی ہے، یا تبدیل صفات کا نام ہے!

سلوک قلب کو تصفیہ کہا جاتا ہے، اور "تصفیۂ قلب" سے مراد یہ ہے کہ آئینۂ دل کو ہموم و غموم دنیوی میل ابنائے دنیا حبِّ دنیا اور اندیشۂ ما سِویٰ کے زنگ سے پاک و صاف کیا جائے۔

سلوک سِرّ کو تخلیۂ سِتر کہا جاتا ہے اور "تخلیہ سِرّ" سے مراد ہے کہ "سِرّ" کو اندیشۂ ما سوی اللہ

اور غوغائے غیر حق سے خالی کیا جائے، اور اسکی پاسبانی اسطرح کی جائے کہ اندیشۂ غیر حق داخل ہونے نہ پائے، اگر یکایک کوئی چیز آجائے تو فوراً اس کی نفی کردیجائے،

سلوک روح کو تجلیۂ روح کہا جاتا ہے اور تجلیہ روح سے مراد یہ ہے کہ روح کو مشاہدۂ حق کے انوار سے، محبت کے ذوق و شوق سے منور و منجلی کیا جائے،

اس طرح سلوک تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تخلیۂ سر و تجلیۂ روح پر مشتمل ہے اور اس کا مقصد مختصر جملوں میں تبدیل اخلاق حیوانی و تخلق باخلاق اللہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی اجمال کی تفصیل اس مقالہ میں کی گئی ہے ع ہشدار کہ رہ خود بخود گم نکنی!

تزکیۂ نفس | لغوی اعتبار سے نفس کے معنی ذات کے ہیں اور نفس شئی ذات شئی کو کہتے ہیں، فلسفہ کی اصطلاح میں (فلسفۂ مشائیت) یہ لفظ ارواح پر دلالت کرتا ہے، خواہ یہ ارواح مادی ہوں مثلاً نفس نباتیہ و نفس حیوانیہ، خواہ مجرد، جیسے نفس مجردہ فلکیہ و نفس ناطقہ انسانیہ، اصطلاح اخلاق میں نفس کے معنی اکثر توہم انانیت و پندار خودی کے لیے گئے ہیں، یہ قوت غضب و شہوت کا جامع ہوتا ہے۔ اس لفظ سے صوفیہ کی مراد بھی یہی ہے،

جس نفس کو تزکیہ کے قابل سمجھا گیا ہے وہ نفس ہے، جو صفات سبعیہ و بہیمیہ سے متصف ہے اور جس کا نام نفس امارہ ہے۔ یہ نفس بالطبع برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور "امر بسوء" کرتا ہے۔ ان النفس لامارۃ بالسوء "نفس انسان کو برائی ہی سکھاتا رہتا ہے"، (یوسف آیہ ۵۳)

جب اس نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے اور وہ برائیوں سے متنفر ہوجاتا ہے تو خود اپنی ہی ذات کو نصیحت و ملامت کرنے لگتا ہے اسوقت اس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے، چنانچہ حق تعالیٰ نے اس نفس کی شرافت کی وجہ سے اس کی قسم کھائی ہے لا اقسم بالنفس اللوامۃ (سورہ قیامۃ ۱)

جب اس نفس کا بھی کامل تزکیہ ہوجاتا ہے اور اس کو رضائے تام حاصل ہوجاتی ہے تو اس میں

نیکی کا ایک ملکہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ شر کا مصدر مطلق نہیں رہتا اور اس میں ملکیۃ تامہ پیدا ہوجاتی ہے اور وہ اس جماعت میں داخل ہوجاتا ہے جس کا قرآن مجید نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون (قیامۃ - ۶) — جو ارشاد خدا ان کو فرماتا ہے اسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔

اور بالکلیہ مصدر خیرات ہوجاتا ہے؛ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کا یہ قول کہ "مجھے اب ایسا دل حاصل ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو وہ خدا ہی کی نافرمانی ہوگی" اسی نفس پر دلالت کرتا ہے، اب اس نفس کو نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کو قرآن میں اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ — اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل

ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً — تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، تو میرے

مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ — (ممتاز) بندوں میں شامل ہوجا اور میری

وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ! (فجر ۳۰-۲) — بہشت میں داخل ہوجا،

ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نفس ہے جو بہ مقتضائے مقامات و اختلاف اوصاف مختلف ناموں سے یاد کیا جارہا ہے، اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ اطباء کی اصطلاح میں ایک ہی روح مادی جو بخار لطیف ہے، قلب میں، روح حیوانی، جگر میں روح طبیعی اور دماغ میں روح نفسانی کہلاتی ہے، اسماء کا یہ تبدل مقامات و اوصاف کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، ان کا مسمی ایک ہی ہے،

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ نفس کو اس کے حیوانی مذموم اوصاف سے کس طرح پاک و صاف کیا جاسکتا ہے، اور اس کو صفت امارگی سے نکال صفت لوامگی اور پھر صفت مطمئنگی سے کس طرح موصوف کیا جاسکتا ہے؛ تزکیۂ نفس کس طرح ممکن ہے؟

نفس کا تزکیہ بغیر مجاہدہ کے ممکن نہیں! ع رنج نابردہ کسے گنج نیابد ہیہات! چنانچہ

قرآن کریم نے ہدایت یابی کے لیے مجاہدہ کو شرط قرار دیا ہے،

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت، ۶۹) — جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھاویں گے۔

ہر مبتدی، متوسط و منتہی کے لیے ابتدا سے لیکر انتہا تک مجاہدہ لازمی و ضروری ہے اور کسی حال بندے کے ذمے سے یہ ساقط نہیں ہوتا، جو کچھ ہے عمل ہے، کوشش ہے، جہد و مجاہدہ ہے، اس کے بغیر انسان خسارے میں رہتا ہے، جیساکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — انسان بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے۔

عقلی طور پر بھی مجاہدہ ہمارے لیے اس وقت آسان ہوگا جب ہم نفس امارہ کے بعض صفات کو پیش نظر رکھیں اور ان کے مضر و تباہ کن اثرات پر غور کریں، صاحب مصباح الہدایت حضرت محمود بن علی الکاشانی قدس سرہٗ نے ان صفات کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے[1]، نفس کے بعض صفات مذمومہ یہ ہیں:

نفس کی ایک صفت عبودیت ہوئی ہے، یعنی وہ ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ لذات حسی و مرادات طبیعی اس کو حاصل ہوتے رہیں، وہ لذت کا پرستار ہوتا ہے، 'ہوی' کو اپنا معبود قرار دیتا ہے، یہ وہی بت گر و بت پرست ہے جس کی نشان دہی قرآن مجید نے ان الفاظ میں کی ہے:

اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ — کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود قرار دے رکھا ہے،

ظاہر ہے کہ نفس کی یہ صفت مجاہدہ ہی سے دور ہو سکتی ہے، اور مجاہدہ یہاں زہد کا اختیار کرنا اور حق تعالیٰ کی محبت کا قلب میں پیدا کرنا ہے، ہوی یا خواہش کی عبودیت سے نکل کر احکام الٰہیہ کا پابند

[1] دیکھو مصباح الہدایۃ ص ۱۰۲ تا ۱۰۴

ہوتا ہے، حق تعالیٰ سے موافقت کرنا اور ان ہی کو اپنا دوست سمجھنا ہے! اس دیوانگی کو پیدا کرنا ہے جس کا نعرہ یہ ہو:

نمی خواہیم جز زلفِ تو زنجیر — زہے دیوانہ عاقل کہ حق نایم

نفس کی دوسری صفت نفاق ہے، یعنی اکثر حالات میں نفس کا ظاہر اس کے باطن کے موافق نہیں ہوتا، لوگوں کے سامنے ان کی تعریف و مدح کرتا ہے، اور ان کے پیچھے ان کی مذمت یا غیبت، مواجہہ میں صداقت کا اظہار کرتا ہے اور غیبت میں اس کے برخلاف!

یہاں مجاہدہ صدق کا اختیار کرنا ہے، اور نفاق کا ترک کرنا،

نفس کی تیسری صفت کو "ریا" سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی نفس ہمیشہ اس فکر میں رہتا ہے کہ لوگوں کی نظر میں اچھا نظر آئے، اس میں وہ صفات ہوں جو دوسروں کو اچھے معلوم ہوتے ہوں، گو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ صفات مذموم ہی کیوں نہ ہوں، جیسے کثرت مال اور اس پر فخر، کبر، استغنا، وغیرہ اور جو صفات خلق کی نظر میں مذموم ہوں ان سے بچے اگرچہ یہ حق تعالےٰ کی نظر میں پسندیدہ کیوں نہ ہوں جیسے عجز و مسکنت و فقر، اسی جذبۂ ریا کے نتیجہ کے طور پر وہ خلق کی نظر میں محبوب اور حق کی نظر میں مبغوض ہو جاتا ہے، خلق سے قریب اور حق سے بعید ہو جاتا ہے،

نفس کی یہ صفت اسی وقت دور ہو سکتی ہے، جب اس پر یہ بات کھل جائے کہ خلق کا حال تو یہ ہے کہ لا يملكون لانفسهم ضرا ولا نفعا ولا يملكون موتا ولا حياة ولا نشورا، یعنی وہ نہ اپنے نفع و ضرر پر قادر ہیں اور نہ ان کی موت و حیات ہی ان کی اختیاری چیز ہے، ان کے اختیار میں کچھ بھی تو نہیں، جو اپنی جان کو نفع نہ پہنچا سکے وہ دوسرے کو کیا نفع پہنچا سکے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے کہ

لا يكمل الايمان المرء حتى يكون — آدمی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جبتک کہ

الناس عندہ کالرّ باعر — خلق اسکی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کی طرح حقیر نہ ہوجائے"

ریاکار نفس کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس کی مثال آگ کی سی ہو جو اپنی اچھی صفت کو جو نور ہے ظاہر کرتی ہے اور بری صفت کو جو سوزش ہو چھپاتی ہے، لیکن جاننے والے ریاکار کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہیں، وہ انھیں دھوکہ نہیں دے سکتا، لوگوں کی نظر میں وہ جس قدر اچھا نظر آنا چاہتا ہے، اسی قدر وہ گرتا چلا جاتا ہے! اگر ایک بدصورت بڑھیا عمدہ لباس اور گلگلونہ خضاب سے خود کو آراستہ کرے تو ممکن ہے کہ بے شعور بچوں کو وہ اچھی نظر آئے، لیکن سمجھ دار اور بالغ اس کو صرف نفرت ہی کی نگاہ سے دیکھیں گے! ریاکار کو مخاطب کرکے سعدی نے کیا اچھا کہا تھا:

اے ہنرہا نہادہ برکف دست — عیبہا برگرفتہ زیر بغل
تاچہ خواہی خریدن اے مغرور — روز درماندگی بسیم دغل

ریا، ذرا سی بھی ریا شرک ہے: ان یسیر الریاء شرک (رواہ ابن ماجہ) اور شرک مغفرت سے محروم! ریاکا سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے گناہوں کو نظر خلق سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے حسنات یا نیکیوں کو بھی مخفی رکھے، مجاہدہ بڑا سخت ہو لیکن ریا مرض ہی سخت ہے!

نفس کی ایک اور صفت اس کا دعوی الوہیت ہے، نفس ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی مدح و ثنا کریں، اس کی اطاعت و پیروی کریں، اس سے محبت کریں اور اس کو سب پر ترجیح دیں اور اس سے خائف بھی رہیں، اور تمام احوال میں اسی کی رحمت پر بھروسہ کریں۔ یہ عین دعوئ الوہیت ہے، کیونکہ ان ساری نسبتوں کا تو قیام حق تعالیٰ ہی سے ہونا چاہیے نہ کہ غیر حق سے! یہ حق تعالیٰ کی ربوبیت میں نزاع کرنا ہے۔ یہ انتہائے کبر ہے، عجیب ہے! بقول احنف بن قیس کے "تعجب ہے کہ آدمی ذرا تکبر کرے، حالانکہ وہ دوبار پیشاب کی جگہ سے نکلا ہے"۔

از شکم تا بکنار آمدہ — از رہ بول دوبار آمدہ

اسی طرح حسن نے کہا تھا کہ "تعجب ہے آدمی پر کہ ہر روز ایک بار یا دو بار اپنے ہاتھ سے پاخانہ دھوتا ہے اور پھر تکبر کرتا ہے، دعوی الوہیت کرتا ہے، اور آسمان و زمین کے جبار کا مقابلہ کرتا ہے"۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں وفی انفسکم افلا تبصرون کہا ہے کہ مراد اس سے جائے بول و براز ہے!! کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے خلافت حاصل کرنے سے پہلے حج کیا تھا، حضرت طاوس نے ان کی چال میں تکبر دیکھا، اور اپنی انگلی ان کے پہلو میں ماری اور کہا کہ جس کے پیٹ میں غلاظت بھری ہو اس کی چال یوں نہیں ہوتی!

صوفیۂ عارفین کی تحقیق کی رو سے جب تک سالک پر تجلی صفات الٰہی نہیں ہوتی نفس کا یہ دعوی الوہیت نہیں جاتا، جب سالک یہ جان لیتا ہے کہ صفات وجودیہ، وجود و حیات و علم و قدرت و ارادہ وغیرہ اصالۃً صرف حق تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور وہ خود عدم اضافی کے سوا کچھ نہیں تو وہ خواجہ درد کے الفاظ میں چیخ اٹھتا ہے۔

گاہے غلش غرور باشد مارا — گہ ناخن عجز می خراشد مارا
باہیچ نیم درد و ہم ہستی — ہر لحظہ بصورتے تراشد مارا

نفس کی ایک اور صفت بخل و امساک ہے: جو کچھ اموال و اسباب اور مرغوب اشیاء سے اس کو حاصل ہوتا ہے، ان کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتا، یا تو محض تفاخر و تکاثر کی خاطر یا فقر و احتیاج کے خوف سے، جب یہ صفت نفس میں قوی ہو جاتی ہے تو اس سے حسد پیدا ہوتا ہے، کیونکہ حسد دوسروں کے مال میں بخل کرنا ہے، حاسد نہیں چاہتا کہ کسی سے کسی دوسرے کو فائدہ پہنچے، اور اگر کسی کے ہاں کوئی خاص نعمت پاتا ہے تو چاہتا ہے کہ یہ زائل ہو جائے اور اگر اس قوت میں زیادتی ہو تو حقد یا کینہ پیدا ہوتا ہے، جب کسی کو نعمت میں اپنا شریک یا کسی فضیلت کی بنا پر متمیز پاتا ہے، یا سمجھتا ہے کہ وہ اس کی نعمت کے چھین لینے کا باعث ہے تو اس کے زوال و ہلاکت کی خواہش کرتا ہے، اس سے

کینہ رکھتا ہے، اس کا دشمن ہو جاتا ہے۔

بخل نتیجہ ہے حب مال کا، اور دنیا کا سب سے بڑا فتنہ مال ہے اور اس کی محبت؛ اگر مال نہ ہو تو رنج و محنت ہے اور محتاجی کفر تک پہنچاتی ہے: کاد الفقر ان یکون کفرا، اور مال ملے تو یہ باعث سرکشی و طغیان بھی ہوتا ہے: انّ الانسان لیطغیٰ ان رآہ استغنیٰ

اگر دنیا نباشد دردمندم — وگر باشد بمہرش پائے بندم

مفلس کے دو حال ہیں، قناعت و حرص، ایک محمود دوسرا مذموم، اسی طرح غنی کے بھی دو حال ہیں، ایک بخل و امساک، دوسرے نفاق و بذل، ان میں ایک حالت اچھی اور دوسری بری ہے! نفس کی جو مذموم صفت ہم یہاں پیش کر رہے ہیں، بخل و امساک، اس کا تعلق صرف غنی و تونگر کے نفس ہی سے نہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر یہ صفت ہر ایک میں پائی جاتی ہے، الا ماشاء اللہ! انسان کی سرشت میں حرص و بخل داخل ہیں۔

لوکان لابن آدم وادیان من	اگر انسان کے لیے سونے کی دو وادیاں بھی ہوں
ذھب لابتغی ثالثا ولا یملأ	تو وہ ایک تیسری وادی کی خواہش کرے گا
جوف ابن آدم الا التراب	انسان کا پیٹ صرف (قبر کی) مٹی ہی بھر سکتی ہے،
ویتوب اللہ علی من تاب	اور اللہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

حب مال و بخل کا علاج قناعت کا اختیار کرنا ہے، جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا،

طوبیٰ لمن ھدی الی الاسلام وکان	بشارت ہو اس شخص کو جسکو اسلام کی طرف ہدایت
عیشہ کفافا وقنع بہ	نصیب ہوئی اور جسکو بقدر کفاف میسر ہوا اور اس نے

بات کتنی حکیمانہ کہی گئی ہے کہ: الدنیا انما تراد لثلث: العز والغنی والراحۃ، فمن قنع عز واستغنی واستراح، یعنی آدمی دنیا کو تین ہی اغراض سے کماتا ہے: عزت، تونگری اور راحت، جس نے قناعت کی اس نے عزت بھی پائی، تونگر بھی ہوا اور آرام بھی پایا، قناعت کو حدیث میں بہترین تونگری سے تعبیر کیا گیا ہے: خیر الغنی القنوع!

بخیل کو اپنی توجہ سخاوت کی فضیلت پر مرکوز کرنی چاہیے، اور سخاوت کے جو فضائل قرآن و حدیث میں آئے ہیں ان پر غور کرنا چاہیے، اور عقل و تجربہ کی رہبری میں قدم اٹھانا چاہیے، تجربہ بتلاتا ہے کہ بخیل کو کوئی دوست نہیں رکھتا، اور سخی کو ہر ایک پسند کرتا ہے، حق تعالیٰ بھی سخی کو پسند فرماتے ہیں، جیسا کہ خبر دی گئی ہے: ان اللہ جواد یحب الجود، اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ "سخی قریب ہے اللہ سے، قریب ہے لوگوں سے، قریب ہے جنت سے، بعید ہے آگ سے[1]..."

اسماء بنت ابی بکرؓ سے فرمایا گیا، اس کی مخاطب ساری امت بھی ہے:

انفقی ولا تحصی فیحصی علیک	تو خرچ کیے جا، پیسہ جوڑ کر مت رکھ، ایسا کرے گی تو
ولا توعی فیوعی اللہ علیک ارضخی	اللہ بھی جوڑ کر رکھے گا (تجھ کو بے حساب نہ دیگا)
ما استطعت (متفق علیہ)	جمع مت کر اور بخل مت کر ورنہ تجھ پر تنگی کی جائے گی،
	جہاں تک تجھ سے ہو سکے دے!

یہاں بتلایا گیا ہے کہ منع رزق سے مادہ رزق ہی منقطع ہو جاتا ہے، جو شخص دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کو دیا کرتے ہیں، ایک اور جگہ بخیل اور سخی کی مثال اس طرح دی گئی ہے کہ گویا دو آدمی ہیں جن کے جسم پر سینہ سے گلے تک دو آہنی زرہ ہیں، جب سخی شخص انفاق کرتا ہے تو وہ زرہ اس کے جسم پر پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے ایسا تک کہ وہ اس کی انگلیوں تک کو چھپا لیتی ہے، اور اس کے نقش قدم کو مٹا دیتی ہے۔

[1] قشیری نے رسالہ میں اپنی سند سے یہ حدیث لکھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار، والبخیل بعید من اللہ بعید من الناس بعید من الجنۃ قریب من النار، ولجاھل السخی احب الی اللہ من العابد البخیل"

رہا بخیل، سو جب وہ کسی شے کے خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی زرہ کا حلقہ اپنی جگہ پر چپک جاتا ہے وہ اس کو کشادہ کرتا ہے لیکن کشادہ نہیں ہوتا۔ (متفق علیہ)

کہا جاتا ہے کہ ایک مرد حکیم نے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک روپیہ دیکھا، پوچھا کہ یہ روپیہ کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا ہے، عقلمند نے کہا کہ یہ تیرا نہیں جب تک کہ تیرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ اسی معنی میں کسی شاعر نے کہا ہے:

انت للمال اذا امسکته — فاذا انفقته فالمال لک

یعنی جب تک تو مال کو روکے رکھے گا تو مال کا غلام ہوگا اور جب اس کو راہ حق میں خرچ کر دے گا، مال تیرا غلام ہو جائے گا! یہ تصور اس حدیث سے لیا گیا ہے جس میں صحابہ سے دریافت فرمایا گیا تھا کہ تم میں سے کس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہے؟ جواب دیا گیا کہ ہم سبھوں کو اپنا ہی مال محبوب تر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مال اس کا تو وہ ہے جو اس نے اپنے آگے بھیجا، اور مال اس کے وارث کا وہ ہے جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑا۔ (رواہ البخاری)

نفس کے صفات ذمیمہ کی تفصیل بیان کرنی یہاں ممکن نہیں۔ یہ چند امہات صفات ہیں جن کا تذکرہ کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ اکابر دین یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کامل علیہم الرضوان نے ہمیشہ نفس کے خلاف مجاہدہ کیا ہے، اور اپنا سب سے بڑا دشمن نفس ہی کو قرار دیا ہے، چنانچہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

اعدیٰ عدو لک نفسک التی بین جنبیک — تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

اور حکم عام ہی نافذ فرمایا گیا کہ

اقتلوا انفوسکم بسیوف المجاھدات والمخالفات — اپنے نفسوں کو مجاہدے اور مخالفت کی تلوارں سے قتل کرو۔

اسی بنا پر مشائخ کرامؒ نے نفس کو صنم اکبر قرار دیا ہے، اور متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ

مخالفة النفس راس العبادة — نفس کی مخالفت اصل عبادت ہے اور نفس

وموافقة النفس اساس الکفر — کے ساتھ موافقت کرنا کفر کی بنیاد ہے،

اور اسی لیے تلقین فرمائی:

گر حیاتِ خوب خواہی نفس را گردن بزن — زانکہ از نفست قوی تر ہیچ دشمن دار نیست

محمد بن فضل نے کہا تھا کہ الراحة هو الخلاص من امانی النفس، یعنی راحت، نفس کی خواہشات سے چھٹکارا پانا ہے ؎

گزشتم از سر مطلب تمام شد مطلب — حجاب چہرۂ مقصود بود مطلبہا

نفس کی بے شمار خواہشیں اصل مقصود کے، جو رضائے حق ہے، حجاب ہیں، جب یہ تہ بر تہ حجابات چہرۂ جان سے دور ہوئے کہ مقصد حاصل ہو گیا! ذوالنون مصریؒ کہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے کسی بندے کو اس سے زیادہ عزت نہ دی کہ اس کے نفس کی ذلت پر اس کو واقف کر دیا اور کسی بندے کو اس سے زیادہ ذلیل کیا کہ اس کو اس علم سے محجوب رکھا! جب تک نفس مقہور نہیں ہو جاتا قلب غوغائے شیطانی سے محفوظ نہیں ہوتا! چنانچہ کسی بزرگ نے اس واقعہ کو یوں ادا کیا ہے:

تا یک نفس از نفس تو پیدا است ہنوز — بر درگہ دل ز دیو غوغا ست ہنوز!

خدا پرستوں کی جماعت نے ہر زمانہ میں تزکیۂ نفس پر زور دیا ہے اور للکار کر کہا ہے:

عشوۂ ابلیس از تلبیس تست — در تو یک آرزو ابلیس تست

چوں کنی یک آرزوے خود تمام — در تو صد ابلیس زائد والسلام

مجاہدہ کی اصل ہی نفس کو اپنے مالوفات سے چھڑانا ہے، اور اتباع ہویٰ سے اس کو آزاد کرنا ہے،

نفس کی دو صفتیں اس کو خیر سے محروم رکھتی ہیں: "انہماک فی الشہوات اور امتناع عن الطاعات"۔ یعنی اس کا شہوتوں میں منہمک ہونا اور اطاعتوں سے رک جانا، مجاہدہ کے ذریعہ اس کو شہوتوں سے تقویٰ کی لگام دے کر روکا جاتا ہے اور طاعات کی جانب مائل کیا جاتا ہے۔

نفس کی امارگی مجاہدہ سے دور کی جا سکتی ہے، اس کا تزکیہ ہو سکتا ہے، اور اس کو اطمینان کے مقام تک پہنچایا جا سکتا ہے! تزکیہ سے نفس فلاح پاتا ہے، قد افلح من زکّٰھا، وہ نفس امارہ نہیں رہتا مطمئنہ بن جاتا ہے۔ اب وہ خواہش، یا قرآنی اصطلاح میں 'ہویٰ' کا غلام نہیں رہتا، بلکہ احکام الٰہیہ کا پابند ہو جاتا ہے، حق تعالیٰ کے ہر فعل سے راضی ہو جاتا ہے، توافق بالقضا و رضا بالعطا اس کا حال ہو جاتا ہے! اب اس کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض شے، ناپسند چیز، حق تعالیٰ کے حکم سے یا ان کے اوامر و نواہی سے، یا قضا و قدر سے ناپسندی و ناراضی ہے، یا بالفاظ دیگر "خود پسندی" ہے۔

مذہب عشق خود پسندی نیست جز غریبی و دردمندی نیست

بہ پسند انچہ می رسد، کانجا ناپسندے جو ناپسندی نیست

(باقی)

فارابی کی منطق

از

جناب شبیر احمد خاں غوری ایم اے ایل ایل بی، بی ٹی ایچ رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یو پی

(۲)

عہد اسلام میں پہلا شخص جس نے منطق پر کچھ لکھا عبد اللہ بن المقفع ہے جو منصور کے عہد خلافت میں ایک کاتب تھا۔ اس نے یہ ترجمہ محض تفنناً (as an amateur) کیا تھا اس کے بعد بھی بہت سے کاتبوں نے فلسفہ و منطق میں محض تفنناً تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

سرکاری سرپرستی میں باقاعدہ منطق و فلسفہ کا ترجمہ مامون الرشید کے زمانہ سے شروع ہوا، اگرچہ مامون سے پہلے خلفاء نے بھی منطق کے بعض تراجم کرائے تھے۔ لیکن محض فلسفہ و حکمت کی خدمت کی خاطر ارسطاطالیسی فلسفہ کی شرح و تفسیر اسکندریہ کے مشائی مدرسہ کے جانشینوں نے کی جو فارابی کے پیشرو تھے۔ اس طرح مسلمانوں میں جن لوگوں نے یونانی فلسفہ و منطق کے ساتھ اعتنا کیا۔ انھیں تاریخی ترتیب کے اعتبار سے حسب ذیل تین جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے،

(۱) طبقۂ کتاب (۲) سرکاری مترجمین۔ (۳) اسکندریہ کے وثنی (مشائی) مدرسہ کے جانشین یا فارابی اور اس کے پیشرو۔

غرض پہلا شخص جس نے منطق سے عربی زبان کو روشناس کرایا عبد اللہ بن المقفع ہے، اور آخری شخص جس پر یونانی منطق کا تذکرہ اور پر ختم کیا گیا وہ یحییٰ النحوی (یوحنا فیلوپونس) ہے اور اہم

بالیقین جانتے ہیں کہ عبد اللہ بن المقفع نے براہ راست یوحنا فیلوپونس سے منطق کا علم حاصل نہیں کیا
اس لئے فطرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یونانی منطق مسلمانوں میں کس طرح داخل ہوئی۔ یہ دلچسپ مسئلہ ہے،
اس کی تفصیل تو آگے آرہی ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ ارسطاطالیسی منطق اسکندریہ کے وثنی (مشائی)
مدرسہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ وہیں سے مسیحی خصوصاً نسطوری علما نے پڑھا اور ان کے ذریعہ نصیبین
اور جندی سابور کے مدرسوں میں منطق و فلسفہ کی تعلیم ہوتی رہی۔ نساطرہ ہی نے ایران میں ارسطاطالیسی
منطق کو متعارف کرایا مگر جو طبقہ اس ملک میں اس سے زیادہ متمتع ہوا وہ طبقہ کتاب (دبیران) تھا یہی
لوگ بعد میں عہد اسلامی میں کتابت کے عہدوں پر فائز ہوئے اور انھوں نے منطق و فلسفہ کو محض تفنناً
عربی میں منتقل کیا۔ جب جندی سابور وغیرہ کے نسطوری اطبا دربارِ خلافت میں آئے تو خلفاء کو
یونانی فلسفہ کا اشتیاق ہوا خصوصاً مامون الرشید کو اور اس کے ایماء سے نسطوری مترجمین نے یونانی
و سریانی سے عربی میں علوم فلسفیہ کی کتابوں کو منتقل کیا۔ غالباً معتضد باللہ کے زمانہ میں اسکندریہ
کا مشائی مدرسہ انطاکیہ و حران ہوتا ہوا بغداد میں منتقل ہوا اور مقتدر باللہ عباسی (۲۹۵-۳۲۰)
کے زمانہ میں ان مشائی فلاسفہ نے بغداد میں منطق و فلسفہ کی تعلیم و تدریس اور شرح و تفسیر کے ساتھ
اعتنا شروع کیا۔

غرض ارسطو کے لوقیون (Lyceum) سے نکل کر مسلمانوں میں داخل ہونے سے قبل
منطق و فلسفہ نے حسب ذیل منزلوں میں ہو کر سفر کیا۔

۱۔ اسکندریہ کا وثنی مدرسہ (فارابی اور اس کے پیشروؤں کی اصل یہی ہے)

۲۔ نساطرہ و یعاقبہ کی تبلیغی مساعی (عموماً انہی کے جانشینوں نے خلفاء و امراء کے ایماء سے
یونانی و سریانی سے عربی میں ترجمے کئے)

۳۔ ایران کے کتاب (دبیران) کی ثقافتی مساعی (یہی لوگ فلسفہ و حکمت کے Amateur مصنفین تھے)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

اسکندریہ کا وثنی مدرسہ

ارسطو نے ۳۲۲ ق م میں وفات پائی۔ اس سے ایک سال قبل ۳۲۳
ق م میں سکندر کا انتقال ہو چکا تھا۔ سکندر کے مرنے پر اس کی عظیم الشان سلطنت اس کے سپہ سالاروں
میں بٹ گئی۔ مصر بطلیموس منطقی (Ptolemy Soter) کے حصہ میں آیا۔ اس کا
جانشین بطلیموس فیلاڈلفیوس ہوا جس نے اسکندریہ کے مشہور کتب خانہ کو قائم کیا۔[1] غالباً اس کی
علم دوستی نے ایتھنز کے مشائی معلمین کو اسکندریہ کھینچ بلایا اور وہ بطلیموسی خاندان کی آخری فرمانروا
کلیوپیٹرا کے زمانہ تک فلسفہ و حکمت کا درس دیتے رہے، اس طرح مشائی فلاسفہ کی دو شاخیں
ہو گئیں، ایک ایتھنز کے مدرسہ لوقیون (Lyceum) میں درس دیتی رہی، دوسری شاخ
نے اسکندریہ میں علمی و فلسفی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ اسلامی فلسفہ پر مشائی فلسفے کی اسکندروی
شاخ کا خاص طور سے اثر پڑا ہے۔ اگرچہ تیسری صدی مسیحی میں اس کے اندر افلاطونی تعلیمات بھی خلط ملط
ہو گئیں جیسا کہ ڈاکٹر ولیم نسیل نے لکھا ہے کہ

تیسری صدی کے اختتام سے پیشتر ہی ارسطاطالیسی تعلیمات کا خاص مقام نو فلاطونی جماعت تھی۔[2]

بطلیموسی خاندان میں تیرہ بادشاہ ہوئے اور اس دوران میں اسکندریہ کے مدرسے میں بارہ
معلمین ہوئے بطلیموسی خاندان کا آخری مرد بادشاہ ڈایونیسیوس تھا جس نے ۵۲ ق م میں
وفات پائی۔ اس کی وفات پر اس کی بیٹی قلوبطرہ (شکسپیر کے مشہور ڈرامہ انٹونی کلیوپیٹرا کی ہیروئن)
تخت نشین ہوئی، لیکن ۳۰ ق م میں قیصر اگسٹس نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا،

مصر کے انتظام و استحکام سے فارغ ہو کر اگسٹس نے انڈرونیکوس سے ارسطو کی کتابوں کا ایک
قابل اعتماد ایڈیشن مرتب کرایا، اس ایڈیشن کے اس نے دو نسخے کرائے جن میں سے ایک اپنے

[1] مختصر الدول لابن العبری ص ۹۹ [2] مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۴۴،

ہمراہ روم لے گیا اور دوسرا اسکندریہ میں درس و تدریس کے لئے چھوڑ دیا۔ اندرونیکوس بھی قیصر کے ہمراہ روم چلا گیا اور اسکندریہ میں اپنا نائب چھوڑ گیا۔ اس طرح فلسفہ کی تعلیم کے دو مرکز ہو گئے، ایک اسکندریہ میں دوسرا روم میں،[1]

کچھ عرصہ بعد مسیحیت کا ظہور ہوا اور نیرو ([illegible]) کے عہد حکومت (۵۴-۶۸ء) میں نصرانیت مصر میں داخل ہوئی، اور جلد ہی اس نے عوام میں مقبولیت حاصل کر لی۔ اس روز افزوں مقبولیت اور بادشاہ پرستی سے انکار کی بنا پر مسیحیت سلطنت کے لئے خطرہ سمجھی جانے لگی اور نیرو ہی کے زمانہ سے عیسائیوں پر جور و تعدی کا آغاز ہوا جو قسطنطین اعظم کے زمانہ تک جاری رہا، اس جور و تعدی کے زمانے میں فلاسفہ نے بھی مسیحیت کو ہر طرح ہدف اعتراضات بنایا، شروع میں رواقیوں نے اور بعد میں نو فلاطونی فلاسفہ نے عیسائی مذہب پر شدید اعتراض کئے۔ اگر قومی مذہب پر کوئی حملہ ہوتا تو رواقی فلاسفہ اس کی ہر طرح حمایت کرتے تھے۔ مارکس آریلیس نے عیسائیوں پر جو جبر و تشدد کیا وہ قومی مذہب کی نسبت ان کے تعصب پر دلالت کرتا ہے۔[2] فرفوریوس عیسائیوں کے خلاف پندرہ دفتروں میں اپنے قومی مذہب کی حمایت کرتا ہے۔[3]

آخر کار ۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم تخت نشین ہوا اور کچھ دن بعد اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا، اس وقت مسیحیت رومن امپائر کا ملکی مذہب قرار پائی، سیاسی اقتدار ملتے ہی یہ مظلوم اور ستم رسیدہ مسیحیت ظالم اور ستمگر بن گئی۔ رومن سلطنت کی اگلی دو سو سالہ تاریخ مذہبی تعصب، فرقہ وارانہ کشمکش اور تنگ نظری کی داستان ہے۔ اس تنگ نظری کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ روم سے فلسفہ کی تعلیم خارج البلد کر دی گئی۔ تھیوڈوسیوس کے عہد حکومت میں معلمین فلسفہ روم سے اسکندریہ واپس آ گئے اور اب فلسفہ کی تعلیم کا مرکز صرف اسکندریہ رہ گیا مگر یہاں بھی وہ آزادی سے سانس نہیں لے سکتے تھے۔

[1] مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۱۱۲ [2] ایضاً ص ۲۰۵ [3] کتاب تنبیہ والاشراف ص ۱۲۱ — ۱۲۲

اس کشمکش کی تفصیلات سے فلسفہ کی متداول کل تاریخیں خاموش ہیں لیکن قدیم مسلمان مورخوں نے اسکندریہ کی فلاسفہ کے جانشینوں سے براہ راست یہ تفصیلات معلوم کر کے اپنی تواریخ میں ذکر کی ہیں۔ ان میں مسعودی خصوصیت سے قابل ذکر ہے، اس نے "فنون المعارف وما فی الدہور السوالف" میں یہ واقعات بڑی تفصیل سے لکھے تھے مگر افسوس آج یہ کتاب ناپید ہے، البتہ اس نے "التنبیہ والاشراف" میں اس کا حوالہ دیا ہے:-

وقد ذكرنا في كتاب "فنون المعارف وما جرى في الدهور السوالف" الفلسفة وصدورها والاخبار عن كمية اجزاءها........ وكيف انتقل مجلس التعليم من اثينة الى الاسكندرية من بلاد مصر، وجعل اغسطس الملك لما قتل قلوبطرة الملكة التعليم بمكانين بالاسكندرية ورومية ونقل تيودوسيوس الملك الذي ظهر في ايامه اصحاب الكهف التعليم من رومية وردّه اياه الى الاسكندرية[1]

ہم نے "فنون المعارف وما جری فی الدہور السوالف" میں فلسفہ اور اس کے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے نیز اس کے مختلف اجزاء کی تعداد کا........ اور یہ کہ مدرسہ فلسفہ ایتھنز سے اسکندریہ (مصر) میں کس طرح منتقل ہوا اور ملکہ کلیوپیٹرا کو قتل کرنے کے بعد قیصر اگسٹس نے دو جگہ تعلیم کرا دی ایک اسکندریہ میں دوسری روم میں اور کس طرح قیصر تھیوڈوسیوس نے جس کے زمانہ میں اصحاب کہف ظاہر ہوئے فلسفہ کی تعلیم کو روم سے خارج کر دیا اور اسے اسکندریہ میں واپس بھیج دیا۔

[1] کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۲۱ — ۱۲۲

اس اجمال کی تفصیل فارابی نے اپنی ایک تصنیف (غالباً کلام فی اسم الفلسفة وسبب ظهورها واسماء المبرزین فیها وعلی من قرأ منهم) میں دی ہے۔ یہ کتاب بھی آج ناپید ہے مگر خوش قسمتی سے ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء میں اس کا اقتباس جو عبوری دور سے متعلق ہے، دیا ہے۔

وحكى ابونصر الفارابی فی ظهور الفلسفة ما هذا نصه: قال ان امر الفلسفة اشتهر فی ایام ملوك الیونانیین وبعد وفاة ارسطوطالیس بالاسكندریة الی آخر ایام المرأة. وانه لما توفی بقی التعلیم بحاله فیها الی ان ملك ثلاثة عشر ملكا وتوالی فی مدة ملكهم من معلمی الفلاسفة اثنا عشر معلما احدهم المعروف باندرونیقوس. وكان آخر هؤلاء الملوك المرأة فغلبها اوغسطس الملك من اهل رومیة وقتلها واستحوذ علی الملك فلما استقر له نظر فی خزائن الكتب وصنعها فوجد فیها نسخا لكتب ارسطوطالیس قد نسخت فی ایامه وایام ثاوفرسطس. ووجد المعلمین

ابونصر فارابی نے فلسفہ کے آغاز کار کے باب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ماحصل یہ ہے: وہ کہتا ہے فلسفہ یونانی بادشاہوں کے زمانہ میں مشہور ہوا اور ارسطو کی وفات کے بعد اسکندریہ میں اس کی تعلیم کا رواج ملکہ کلیوپیٹرا کے زمانہ تک رہا، جب ارسطو کا انتقال ہوا تو تعلیم حسب سابق ہوتی رہی، اس دوران میں تیرہ بادشاہ ہوئے اور ان کے زمانہ حکومت میں فلسفہ کے بارہ معلمین ہوئے ان میں سے ایک انڈرونیکس تھا۔ ان حکمرانوں میں آخری حکمران ملکہ کلیوپیٹرا تھی جس کے ملک پر قیصر آگسٹس نے قبضہ جما لیا اور اسے قتل کر دیا۔ جب وہ امور ملکی سے فارغ ہوا تو اس نے کتب خانہ کا معائنہ کیا، وہاں اسے ارسطو کی تصانیف کے نسخے ملے جو ارسطو اور تھیوفراسٹس کے

والفلاسفة قد عملوا كتبا فی المعانی التی عمل فیها ارسطو. فامر ان تنسخ تلك الكتب التی كانت نسخت فی ایام ارسطو وتلامیذه وان یكون التعلیم منها وان ینصرف عن الباقی وحكم اندرونیقوس فی تدبیر ذلك وامره ان ینسخ نسخا یحملها معه الی رومیة ونسخا یبقیها فی موضع التعلیم بالاسكندریة وامره ان یستخلف معلما یقوم مقامه بالاسكندریة ویسیر معه الی رومیة فصار التعلیم فی موضعین وجری الامر علی ذلك الی ان جاءت النصرانیة فبطل التعلیم من رومیة وبقی بالاسكندریة[1]

زمانہ میں لکھے گئے تھے اس نے معلمین فلاسفہ کی ارسطو کی تصانیف پر تعلیقات بھی دیکھیں تو اس نے حکم دیا کہ صرف ان کتابوں کو نقل کیا جائے جو ارسطو اور اس کے شاگردوں کے زمانہ میں لکھی گئی تھیں اور صرف ان ہی کی مدد سے تعلیم ہو، باقی نسخے متروک کر دیے جائیں۔ اس نے انڈرونیکس کو اس کے انتظام کا حکم دیا اور اس کی نقلیں کرا کے کچھ اپنے ہمراہ روم لے چلنے کا حکم دیا اور کچھ اسکندریہ میں چھوڑنے کا اور اسے یہ بھی حکم دیا کہ اپنا نائب معلم اسکندریہ میں چھوڑ دے جو وہاں اس کے فرائض انجام دے اور خود اس کے ساتھ روم چلے۔ اس طرح فلسفہ کی تعلیم دو جگہ ہونے لگی، اسی طرح کام ہوتا رہا یہاں تک کہ ملک کا عام مذہب مسیحیت ہو گیا، اس وقت فلسفہ کی تعلیم روم سے ختم کر دی گئی اور صرف اسکندریہ میں باقی رہی۔

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۱۳۴-۱۳۵۔

مسیحیت اور مذہبی عصبیت | مسیحی اساقفہ کے تعصب نے صرف بت پرست مذاہب ہی کے مٹانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فلسفیانہ مدارس کی علمی سرگرمیون کو بھی اپنی تنگ نظری اور تعصب کا نشانہ بنایا۔ قیصر تاذیوڈیسوس (۹، ۳-۳۹۵) کے تخت نشین ہونے پر تمام رومی مملکت کے باشندون کو بالجبر عیسائی بنانے کی کارروائی پر سختی سے عمل کیا گیا۔ راہبون نے بلا کسی استثناء کے تمام مندرون کو برباد کرنا شروع کر دیا۔ لیکن سرافیس کے مندر کے معاملہ مین بلوہ ہو گیا۔ اور بڑی خونریزی ہوئی مگر آخر کار عیسائیون نے اسے بھی منہدم کر کے گرجا گھر بنا لیا۔ اس مذہبی جنون کا افسوسناک پہلو یہ تھا کہ سرافیون کی لائبریری جو بطلیموس فلاڈ لفوس کی لائبریری (اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ) کے غارت ہونے پر اس کی جگہ قائم ہوئی تھی ۳۹۱ء مین اس تعصب کا شکار ہو گئی۔[۱]

مسیحی تعصب نے اسی پر اکتفا نہین کیا، بلکہ حریت فکر کا بھی گلا گھونٹ دیا۔ اور فلسفہ کے مدارس و مکاتب کو اسکندریہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ غرض گریفیٹن کے لفظون مین "چوتھی صدی مین شہر اسکندریہ کے اندر کسی لائبریری کا وجود نہین ملتا اور یہ فرض کرنے کی ضرورت نہین ہے کہ کسی مذہبی یا ملکی حاکم نے کسی کتب خانہ کی نگہداشت کی زحمت گوارا کی ہو"[۲] اسی طرح بریشیا Breccia جو اسکندریہ کی قدیم تاریخ کا ماہر خصوصی سمجھا جاتا ہے کہتا ہے۔

"یہ بات مشکل ہے بلکہ شاید ناممکن کہ ہم چوتھی صدی کے خاتمہ کے بعد اسکندریہ مین کسی واقعی بڑی لائبریری کا وجود فرض کر سکین"[۳]

بریشیا کے اس قول پر مالکس مایر ہوف حسب ذیل اضافہ کرتا ہے۔

---

۱ History of Egypt under Raman Rule Crafton

۲ ایضاً Milne p 95

۳ بحوالہ التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیہ للدکتور عبدالرحمٰن بدوی ص ۴۱

"اور مین اس کے ساتھ اس کا اضافہ کرتا ہون کہ اس زمانہ مین کسی عام فلسفی مدرسہ کا وجود فرض کرنا بھی بہت مشکل ہے کیونکہ اس وقت سے مذہبی تعصب بڑھتا گیا اور اس نے دشمنی معلمین و تلامذہ کے لیے زندگی دشوار کر دی"[۱]

پانچوین صدی کے نصف اول مین سائرل (Cyril) اسکندریہ کا بطریق مقرر ہوا۔ اس نے بھی مذہبی تعصب و تنگ نظری کی ان روایات کو جاری رکھا، اس کے خیال مین فلسفیانہ مدارس جاہلیت و وثنیت کے مرکز تھے لہذا اس کے اشارے سے فلاسفہ پر حملہ ہوا۔ اس تعصب و تنگ نظری کا تاریک ترین پہلو عقیل و فہیم ہائپیشیہ (Hypatia) کا دردناک قتل ہے جو اسکندریہ کی نوفلاطونی جماعت کی صدر تھی۔ تاریخ فکر انسانی کا یہ اندوہناک سانحہ ۴۱۵ء مین پیش آیا۔[۲] قدیم فلسفہ کا آخری نمایندہ شریف الطبع بیتھوس تھا جو ۵۲۵ء مین تھیوڈورک کے حکم سے قتل کیا گیا اگرچہ وہ بظاہر کلیسا سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن اس کا اصل مذہب فلسفہ تھا۔[۳]

مسیحی تعصب نے اسی پر بس نہین کیا بلکہ منطق جیسے خشک فن کی تعلیم کا ایک معتد بہ حصہ بھی خارج التعلیم قرار دیا۔ اس کی تفصیل ابن ابی اُصیبعہ نے فارابی سے نقل کی ہے:۔

وجری الامر علی ذلک الی ان	اسی طرح سے کام چلتا رہا یہان تک کہ مسیحیت
جاءت النصرانیۃ فبطل التعلیم	کا زمانہ آگیا تو فلسفہ کی تعلیم روم سے ختم
من رومیۃ وبقی بالاسکندریۃ	کر دی گئی اور صرف اسکندریہ مین باقی رہگئی،
الی ان نظر ملک النصرانیۃ	پھر نصرانی بادشاہ نے فلسفہ کی تعلیم پر غور کیا،
فی ذالک واجتمعت الاساقفۃ	پادری لوگ جمع ہوئے اور انھون نے

---

۱ بحوالہ التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیہ للدکتور عبدالرحمٰن بدوی ص ۴۱ ۲ مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۸۸

۳ مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص ۲۹۴۔

تشادروا فیما یتدرك من هذا التعلیم؟
وما یبطل۔ فرأوا ان یعلم من
کتب المنطق الی آخر الاشکال
الوجودیة ولا یعلم بعده لانهم
رأوا ان فی ذالك ضررا علی النصرانیة
وان فیما اطلقوا تعلیمه یستعان
به علی نصرة دینهم فبقی الظاهر
من التعلیم هذا المقدار وما
ینظر فیه من الباقی مستورا
الی ان کان الاسلام بعده
بمدة طویلة۔"[1]

باہم اس بات پر مشورہ کیا کہ فلسفہ کی کتنی
تعلیم باقی رکھی جائے اور کتنی ختم کر دیجائے اور
اور یہ رائے ہوئی کہ منطق کی کتابوں میں سے
اشکال وجودیہ تک کی تعلیم دی جائے اور
اس کے بعد کی تعلیم نہ دی جائے کیونکہ اس سے
نصرانی مذہب کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ
تھا اور جتنے حصے کی تعلیم باقی رکھی گئی تھی اس سے
ان کے مذہب کی تائید میں مدد مل سکتی تھی،
پس منطق کی اتنی ہی تعلیم کا رواج رہا اور
باقی غیر مروج ہو گئی یہاں تک کہ بہت
عرصے کے بعد اسلام کا زمانہ آیا۔

پروفیسر ماکس مائرہوف (Max Meyerhof) نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ مسیحی کلیسا کی تاریخ میں کسی مذہبی کونسل کی اس قسم کی قرارداد سے ہم واقف نہیں ہیں البتہ رومانی دور ثانیہ نے منتقبہ کیا ہے کہ ارغنون (Organon) یا ارسطاطالیسی منطق کے سریانی ترجمے ہمیشہ انالوطیقا کی ساتویں فصل پر ختم ہو جاتے ہیں۔ نیز پانچویں صدی کے وسط کے بعد سے جب کہ نسطوری تحریک کا آغاز ہوا (یعنی پروبوس انطاکی کے زمانہ سے) نہ تو انالوطیقا کے سوا اور کچھ ترجمہ ہوا اور نہ کسی کتاب کی تفسیر لکھی گئی۔ یہی انداز یعقوبی فرقے کا رہا۔ وہ بھی اس جزء کے علاوہ نہ کسی دوسرے جزء کی شرح کرتے ہیں نہ ترجمہ[2]

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم ص ۱۳۵ [2] التراث الیونانی ص ۴۴، ۵۵

اس طرح مسیحی تعصب نے علم و حکمت کی ترقی کو روکنے کی کوشش کی مگر انسانی فکر کے ترقی پسند دھارے کسی کے روکے نہیں رکے۔ اسی تعصب نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ علم و حکمت کی یہ شمع تابندہ جو چوتھی صدی کے نصف آخر میں جھلملانے لگی تھی نویں صدی تک کسی نہ کسی طرح روشن رہی؛ یہاں تک کہ مسلمانوں نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے روشن سے روشن تر کر کے دانشمندان فرنگ تک پہونچایا۔ یہ خارق عادت ثقافتی فریضہ پانچ صدیوں تک خود مسیحیت کے خارجی فرقے انجام دیتے رہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے،

مسیحی فرقہ واریت نسطوریت و یعقوبیت کی ابتدا ۳۲۳ء میں قسطنطین اعظم روم کا بادشاہ ہوا اور کچھ دن بعد مسیحیت ملکی مذہب قرار پائی۔ اسوقت مسیحیت اور وثنیت کی کشمکش خود مسیحی فرقوں کی باہمی نزاع میں بدل گئی، شہر اسکندریہ میں خدائے پدر (نعوذ باللہ منہا) اور مسیح پسر کے تعلق باہمی کا مسئلہ پیدا ہوا جس کے تصفیہ کے لئے مختلف مقامات میں اساقفہ کی مذہبی کونسلیں منعقد ہوئیں مگر مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا ہی گیا، چوتھی صدی کے اختتام پر ایک اور مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر مسیح علیہ السلام میں لاہوتیت اور ناسوتیت دونوں بدرجۂ کمال موجود ہیں تو پھر شخص واحد میں ان کا امتزاج کس طرح ممکن ہے،

انطاکیہ کے معلمین بالخصوص ڈایوڈورس طرسوسی (Diodorus of Tarsus) اور تھیوڈورس مصیصی (Theodore of Mopsuesticae) حضرت عیسیٰؑ کی ناسوتیت کے شدت سے قائل تھے۔ انہیں متشددین کا شاگرد نسطوریوس تھا جو ۴۲۸ء میں قسطنطنیہ کا بشپ مقرر ہوا۔ یہاں کے عوام "مادر خدا" (Theotokos) کے عقیدے کے قائل تھے نسطوریوس نے اس کے خلاف شدت سے اعتراضات کئے اور اسکندریہ کے متعصب بشپ سائرل نے اسی شدت سے ان اعتراضات کی مخالفت کی اس نئی نزاع کے تصفیہ کے لئے ۴۳۱ء میں قیصر تھاؤڈوسیوس دوم نے شہر افسس میں مذہبی کونسل منعقد کرائی۔ ابھی انطاکی علماء آنے بھی نہ پائے تھے کہ سائرل نے

بادشاہ کے کمشنر کے احتجاج کے باوجود نسطوریوس کو اس کے مذہبی عہدے سے معزول کر دیا۔ انطاکی جماعت نے اگر انتقامی کاروائی کے طور پر سائرل کو معزول کر دیا۔ مگر سائرل نے قیصر کے درباریوں کو رشوت دیکر خود کو بحال کرا لیا اور بعد میں کلیسائی اتحاد کے نام پر ۴۳۳ء میں نسطوریوس کو ملعون اور خارج از کلیسا قرار دلوا دیا۔ اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ مارا مارا پھرتا رہا تا آنکہ ۴۵۱ء میں مر گیا ؎

لیکن نسطوریوس نے اپنی آتش نوائی سے بہت سے ہمنوا پیدا کر لئے تھے اور رومن سلطنت کے مغربی صوبوں میں نسطوریت کو مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ انھوں نے الرہا (Edessa) کے مکتب کو جہاں ایران کے عیسائی تعلیم پاتے تھے۔ اپنی تعلیمات کا مرکز بنانا چاہا۔۔۔۔۔۔

اس دوران میں یعقوبی فرقہ ظہور میں آچکا تھا۔ اور وہ بھی الرہا کے مذہبی مدرسہ کی سیادت کا مدعی تھا۔ جب تک ربولا (Rabbula) جو سائرل کا دوست اور نسطوریوس کا شدید مخالف تھا زندہ رہا نساطرہ الرہا میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن ۴۳۵ء میں اس کی وفات کے بعد ایباس (Ibas) جو ایک پرجوش نسطوری تھا الرہا کے مدرسہ پر قابض ہو گیا اس نے اپنے شاگردوں میں تھیوڈور مپسیسی کی تعلیمات کو جو نسطوری عقائد کی اصل ہیں مقبول بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا مگر نسطوریت کی مخالفت بڑی شدید تھی، اس لیے ۴۵۷ء میں ایباس کی وفات پر یعقوبیوں کو پھر غلبہ حاصل ہو گیا اور نسطوری علماء الرہا سے نکال دیئے گئے ؎۔

جب نساطرہ رومن سلطنت میں جائے پناہ حاصل کرنے سے مایوس ہو گئے تو بارصوما (Bar-Sauma) کی قیادت میں ایران کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے جہاں بارصوما نے فیروز شاہ ایران کی حمایت حاصل کر لی اور نسطوریوں نے نصیبین کے شہر میں جو ایرانی قلمرو میں داخل تھا الرہا کے "ایرانی

؎ History of Christian Doctrine by G.P. Fisher P.154.

؎ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد بست دوم ص ۶۶۲

مکتب کے مقابل اپنا مذہبی مدرسہ قائم کیا مگر وہ الرہا سے بھی بالکلیہ بیدخل نہیں ہوئے یہاں تک کہ ۴۸۹ء میں قیصر زینون نے الرہا کے مدرسہ کو نسطوری بدعتوں کا گہوارہ ہونے کے الزام میں بند کر دیا۔ اس طرح مشرقی ممالک کے عیسائیوں کا مرکز نصیبین کا نسطوری مدرسہ بن گیا۔ آٹھویں صدی میں ہم نساطرہ کو جندی سابور کے مدرسہ بالخصوص وہاں کے مارستان پر بھی قابض پاتے ہیں۔

نسطوری بدعت ہی کے نتیجہ میں یعقوبی فرقہ پیدا ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۴۳۳ء کے کلیسائی اتحاد کا اوپر ذکر آچکا ہے جس نے نسطوریوس کو خارج از کلیسا قرار دیا لیکن اس کلیسائی نزاعات کا خاتمہ نہیں ہوا، سائرل کے بہت سے متبعین اس سے مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ اس مصالحت نے حضرت عیسیٰ میں دو فطرتوں کو تسلیم کر لیا تھا لیکن جب تک سائرل زندہ رہا اس کے خلاف علانیہ مخالفت کی آواز کسی جانب سے بلند نہیں ہوئی ۴۴۴ء میں اس کی وفات کے بعد وحدت فطرت کے اصول کی علانیہ تبلیغ ہونے لگی۔ اس کا نمائندہ سائرل کا جانشین دیسقورس (Dioscurus) اور اس تحریک میں اس کا دست راست قسطنطنیہ کا ایک راہب اوطیخس (Eutyches) تھا، اسکندریہ کی جماعت کو قسطنطنیہ کی بالادستی سے جو روایتی نفرت تھی دیسقورس اس کا علمبردار تھا نیز وہ مشرق میں پاپائی اقتدار کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اوطیخس مخالف نسطوریت جذبے سے اس درجہ مغلوب تھا کہ جو لوگ ۴۳۳ء کے اتحادی فارمولے کے قائل تھے وہ ان پر نسطوری ہونے کا الزام لگاتا تھا۔ ۴۴۸ء میں قسطنطنیہ کی مجلس نے اسے ملحد قرار دیا ؎ جس پر اس نے لیون پاپائے روم کے یہاں اپیل کی۔ اس عرصے میں دیسقورس نے قیصر تھیوڈوسیس کو افیسس (Ephesus) میں نئی کونسل کے انعقاد پر راضی کر لیا۔ اس کونسل میں اسے کامیابی ہوئی اور اس کے مخالفین ایک ایک کر کے خارج از کلیسا قرار دیئے گئے اب سارا مشرق اس کے قدموں میں تھا مگر اگلے سال ۴۵۰ء میں قیصر تھیوڈوسیس

؎ Doctrine of Incarnation by R.L. Ottley P. 417

مرگیا اور مرقیان اس کا جانشین ہوا۔ اس نے ۴۵۱ء میں خلقیدونیہ میں نئی کونسل منعقد کرائی۔ اس کونسل نے دسیقورس سے برأت کا اظہار کیا وہ خارج از کلیسا اور جلاوطن کیا گیا اور لیون پاپائے روم کی سرکردگی میں ایک نیا فارمولا طے ہوا[۱]

اوطیسوس (Eutyches) کے ہمنواؤں میں خلقدونیہ کی شکست سے بڑی تلخی پیدا ہوگئی اور وہ تشدد پر اتر آئے اور سلطنت کے لئے ایک خطرہ بن گئے۔ فلسطین، شام اور مصر میں ان کا بہت اثر تھا۔ یہ لوگ نساطرہ کے برخلاف حضرت مسیح میں دو فطرتوں کے منکر اور صرف ممزوج فطرتِ واحدہ کے قائل تھے اس لئے (Monophysite) یا یعقوبی کہلاتے ہیں[۲]

۴۵۷ء میں قیصر مرقیان (Marcian) کے مرنے پر لاؤون الکبیر (Leo) تخت نشین ہوا اس کی سخت گیری سے کچھ عرصے کے لئے مونوفزائٹ فرقے کی شورش بند ہو گئی[۳] مگر لاؤون کے جانشینوں نے ان کے ساتھ نرمی برتی لہذا یہ تحریک زور پکڑتی گئی۔ پانچویں صدی میں اس فرقہ کا سب سے سرگرم کارکن سیورس (Severus) تھا جو پہلے صابی تھا مگر بعد میں عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ اسکندریہ میں راہب تھا پھر اپنی شورش پسندی کی بنا پر ۵۱۱ء میں وہاں سے نکالا گیا اور قسطنطنیہ پہونچ کر [illegible] کو ہمنوا بنایا۔ اس میں وہ کامیاب ہوا۔ قسطنطنیہ کا بشپ مقیدونس معزول ہوا اور سورس انطاکیہ کا مذہبی پیشوا مقرر ہوا۔ سورس کی کامیابی سے مونوفزائٹ فرقہ کا اثر مشرق میں پھیل گیا مگر ۵۱۸ء میں یسٹین (Justin) کے تخت نشین ہونے پر وہ اپنے عہدے سے معزول ہو گیا۔ وہاں سے وہ اسکندریہ پہونچا اور مونوفزائٹ عقیدے کے ایک فرقے کی بنیاد ڈالی[۴] جو سیواری کہلاتے ہیں[۵]۔

سیورس کا شاگرد حسب تصریح مسعودی یعقوب البرذعانی (Jacobus Baradaeus) تھا[۶]

[۱] Doctrine of Incarnation by R. L. Ottley. P. [illegible] [۲] ایضاً ص ۴۳۳
[۳] ایضاً ص [illegible] [۴] ایضاً ص ۴۴۶ [۵] Ottley: Incarnation. P. [illegible] [۶] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۱۵۱
[۷] ایضاً ص ۱۵۱

۵۰۰ء سے کچھ قبل شہر الرہا کے قریب پیدا ہوا تھا[۱]۔ ۵۲۷ء میں یوسطانوس (Justinian) تخت نشین ہوا وہ سیاسی مصالح کی بنا پر خلقیدونی قرارداد پر سختی سے عمل کرنا چاہتا تھا مگر درباری سازشوں اور ملکہ تھیوڈورا کے اثر کی وجہ سے ناکام رہا[۲]۔ بہرحال ۵۲۸ء میں یعقوب البرذعانی اپنے ایک ساتھی راہب سرجیوس کے ہمراہ قسطنطنیہ پہونچا اور ملکہ کو اپنے ہم مذہبوں کی طرف مائل کر لیا۔ وہ وہاں پندرہ سال رہا اور کسی طرح خود کو الرہا کا بشپ مقرر کرا لیا۔ بعد میں ملکہ کے ایما سے وہ فقیروں کے بھیس میں سارے ملک میں گھومتا پھرا اور مونوفزائٹ عقیدہ کی تبلیغ کرتا رہا۔ اس نے شام کے مونوفزائٹ کلیسا کی بنیاد ڈالی (یا اسے دوبارہ ترقی دی) بعد میں اس کے یونانی مخالفین اس نئے کلیسا (شام کے مونوفزائٹ) کو یعقوبی ہی کہنے لگے[۳]۔ عربی تواریخ میں مونوفزائٹ فرقے کی تمام شاخوں کے لئے یعاقبہ ہی کا لفظ استعمال ہوتا ہے[۴]
مسعودی نے اس واقعہ کو بڑی وضاحت سے اخبار الزمان میں بیان کیا تھا جس کا حوالہ وہ التنبیہ والاشراف میں دیتا ہے۔

"وقد ذکرنا فی کتاب اخبار الزمان
ومن اباده الحدثان۔۔۔۔۔
خبر یعقوب البرذعانی انطاکی
وقیل الحرانی تلمیذ سویرس
وکیف اضیف الی مقالہ وسموا
الی الیعاقبہ ونسبوا الی یعقوب"[۵]

ہم نے اخبار الزمان میں یعقوب البرذعانی
الانطاکی یا الحرانی کا ذکر کیا ہے جو سویرس
کا شاگرد تھا ہم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سیورس
کے پیرو کیوں یعاقبہ کہلانے لگے اور یعقوب
البرذعانی کی طرف منسوب ہو گئے۔

آخر عمر میں قیصر یوسطانوس (جسٹینان) کا میلان بھی یعقوبیت کی طرف ہو گیا تھا مگر ۵۶۵ء میں سکا

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد دوازدہم ص ۸۵۹ [۲] Ottley: Incarnation. P. 434
[۳] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد دوازدہم ص ۸۵۹ [۴] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص ۱۵۰۔۱۵۱

منتقل ہوگیا۔ اس سے پہلے یعقوبیت برذعانی کی کوششون سے شام مین قدم جما چکی تھی، مصر کا قومی تعصب مجلس خلقیدون کی قرارداد کا شروع ہی سے مخالف تھا لہذا وہان بھی یعقوبیت کا زور رہا۔ ان دو علاقون کے علاوہ باقی رومن سلطنت سے کچھ عرصے بعد یعقوبیت کا اثر جاتا رہا، اور ارمنیہ اور نوبیا مین ایک منظم الحاد کی حیثیت سے باقی رہی۔[1] مسعودی کہتا ہے:

ولليعاقبة كرسيان لاثالث لهما احدها	یعقوبیون کے صرف دو مرکز ہین، ایک انطاکیہ
بانطاكية والآخر بمصر والغالب	(شام) مین دوسرا مصر مین۔ مصر اور حبشہ کے
على نصارى مصر ..... وما يليها	لوگ اکثر یعقوبی ہین، اُن کی تعداد بہت
من ارض النوبة والحابش	کثیر ہے، اُن کے بطریق کا صدر مقام اسکندریہ
رأى اليعقوبية وبها منهم مالا يحيط	کے قریب ابی مقار اس ہے۔ مصر مین ملکیہ اور
به الاحصاء كثرة ومقام	نسطوریہ بہت کم ہین، اُن دو جگہون کے
بطركهم بدير يعرف بابي مقار اجنة	علاوہ یعاقبہ کے صرف مطران اور اسقف
الاسكندرية ـ والملكية والنسطورية	ہوتے ہین (یعنی زیادہ تعداد نہین ہے)
بمصر قليلون جدا وماعدا	
هذين البلدين فانما لليعاقبة مطارنة	
واساقفة[2]	

نساطرہ کی علمی خدمات دیگر مسیحی فرقون کے مقابلے مین نسطوری تعلیمات زیادہ قرین عقل تھین نیز وہ ان کی تائید کے لئے یونانی فلسفہ سے مدد لیتے تھے اس لئے ہر نسطوری مبلغ جس طرح مسیحیت کا مبشر تھا اسی طرح یونانی فلسفہ کا بھی معلم تھا۔ اور جس طرح نساطرہ نے اپنے زعماے مذہب کی تصانیف کا سریانی مین

[1] O'Leary: [illegible] p. 38 ۵۲۰۱۵۱ [2] التنبیہ والاشراف للمسعودی ص

ترجمہ کیا اسی طرح ارسطو کی کتابون کا اور ان پر بعد مین جو تعلیقات لکھی گئین انھین بھی سریانی زبان مین منتقل کیا۔ اس تحریک کا بانی الرہا کا انگلا بشپ ایباس تھا جو ۴۳۵ء مین ربولا کے مرنے پر اس کا جانشین ہوا وہ نسطوری المذہب تھا۔ الرہا کے ایرانی مدرسے کے معلم کی حیثیت سے اس نے غالباً اپنے شاگردون کی مدد سے تھیوڈور مصیصی الملقب بہ ترجمان کی مخصوص تصانیف کا ترجمہ کیا۔[1] ایباس ہی نے سب سے پہلے فرفوریوس کی ایساغوجی کا سریانی مین ترجمہ کیا۔ اس سے نسطوری مدارس مین منطق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ایباس کا شاگرد بروبا (Probos) تھا جس نے ایساغوجی نیز باری ارمیناس، انالوطیقا اور سوفسطیقا پر تعلیقات لکھیں، ایساغوجی پر اس کی تعلیقات کو بومشترک (Baumstark) نے شائع کردیا ہے، باقیہ کتابوں پر تعلیقات کو ہوناکر (Hoonaker) نے جورنل ایشیاٹک مین شائع کیا ہے۔

چھٹی صدی مسیحی مین دو نسطوری مترجمین خصوصیت سے قابل ذکر ہین، ایک بولس الفارسی جو خسرو نوشیروان کا درباری تھا۔ اس نے منطق پر ایک رسالہ لکھ کر بادشاہ کے نام معنون کیا۔ اس رسالہ کو لانڈ (Land) نے لندن کے ایک مخطوطے کی مدد سے اپنی کتاب اینکڈوٹا کی چوتھی جلد مین شائع کردیا ہے،[2] دوسرا مشہور عالم ابوالقشقری تھا جسے خسرو دوم (۵۹۰-۶۲۸) کے دربار مین بڑا رسوخ حاصل تھا۔

ساتوین صدی مسیحی مین اسلام کا ظہور ہوچکا تھا، اور اس کی فتحمند فوجون نے روم و ایران کی قدیم سلطنتون کو مٹا کر اسلامی حکومت قائم کرلی تھی لیکن اسی سیاسی انقلاب نے اس علمی تحریک کو کوئی نقصان نہین پہونچایا۔ مسیحی علما سیاسی و مذہبی آزادی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل مین مشغول رہے۔ اس صدی کے مشہور نسطوری علما سلوانوس القردی، حنانیشو ([illegible]) اور شمعون الراہب المعروف بطیبویہ الطبیب تھے۔ حنانیشو نے ۶۷۵ء کے قریب منطق پر ایک مقالہ

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ہیژدہم ص ۴۴۵ [2] ایضاً

آٹھوین صدی کے مشہور نسطوری علماء حسب ذیل تھے، مار آبہا، یوشع بخت، دنخا اور طیماتاوس،
مار ابہا نسطوری اساقفہ کا رئیس تھا، اس نے ارسطاطالیسی منطق پر تعلیقات لکھین۔ دنخا نے سریانی زبان مین
علوم طبیعیہ کی ایک دائرۃ المعارف لکھی جس کا انگریزی ترجمہ منجانا (Mingana) نے ۱۹۳۵ء مین
کمبرج سے "Encyclopedia of natural and philosophical
as taught in Bagdad about 817 A.D" کے نام سے شائع کیا ہے۔[1] طیماتاوس نے خلیفہ مہدی کے زمانہ
(۱۵۸ - ۱۶۹) مین ابونوح کاتب نصرانی کے ساتھ مل کر طوبیقا کا سریانی سے عربی مین ترجمہ کیا۔[2] ساسانی
سلطنت کے زوال پر جندی ساپور کے مدرسے بالخصوص بیمارستان پر نساطرہ کا قبضہ ہوگیا تھا، چنانچہ آٹھوین
صدی مین عباسی خلفاء ابوجعفر منصور اور اس کے جانشینون نے جندی ساپور سے جن اطباء کو بلایا وہ نسطوری
المذہب ہی تھے۔

نوین صدی مسیحی مین بھی نسطوری علماء نے اس تحریک کو جاری رکھا، ان مین یوحنا بن ماسویہ،
حنین بن اسحٰق اور اس کا بیٹا اسحٰق بن حنین خصوصیت سے قابل ذکر ہین، حنین نے باری ارمینیاس اور طوبیقا
کا سریانی مین ترجمہ کیا، اس کے ساتھ اس نے انالوطیقا اور ابودیقطیقا کے بعض حصون کا سریانی مین ترجمہ
کیا، باقی حصے اس کے بیٹے اسحٰق نے ترجمہ کئے، لیکن ان لوگون کا شمار عربی مترجمین مین ہوتا ہے، اس لئے ان کی
علمی خدمات کی تفصیل آگے آئیگی۔

یعاقبہ کی علمی خدمات

یعقوبی فرقے نے بھی منطق و فلسفہ کے ساتھ کچھ کم اعتنا نہین کیا، اگرچہ طب کے
سلسلے مین انھون نے جو خدمات جلیلہ انجام دی ہین ان کے مقابلے مین ان کی منطقی خدمات ماند پڑگئی
ہین، یعقوبی بھی ارسطاطالیسی منطق و فلسفہ کے بڑے جید عالم تھے، پانچوین صدی کا سب سے نمایان
یعقوبی متعصب سویرس (Severus) تھا جو پہلے کافر تھا، اور قانون نیز خصوصیت سے ارسطاطالیسی

[1] التراث الیونانی ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۱۱۲

فلسفہ کا مطالعہ کرچکا تھا،[1] اس کے بعد اس نے نصرانی مذہب اختیار کرلیا اور یعقوبی تحریک مین شدت سے حصہ لیا،
بہرحال چھٹی صدی کا سب سے بڑا یعقوبی مترجم سرجیوس الراسعینی ہے، اسے طب سے خاص شغف تھی،
اور اس نے جالینوس کی طبی تصانیف کے جو ترجمے کئے تھے ان مین سے بعض برٹش میوزیم مین موجود ہین،
ان مین سے کچھ مخطوطات سخاؤ نے ۱۸۷۰ء مین دیانات شائع کر دیئے ہین، منطق مین سرجیوس الراسعینی
نے فرفوریوس کی ایساغوجی کو سریانی مین ترجمہ کیا تھا، جس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم مین موجود ہے اور جسے سخاؤ
نے شائع کردیا ہے، اسکے علاوہ اس نے قاطیغوریاس ارسطو کا بھی ترجمہ کیا تھا اور مستقل طور سے اس نے منطق مین ایک کتاب
سات جلدون مین لکھی تھی جس کا جزء "معقولات" برٹش میوزیم مین موجود ہے، سرجیوس الراسعینی کی تصانیف نساطرہ
اور یعاقبہ دونون مین برابر مقبول ہوئین اور طب اور فلسفہ کے مستند مصادر و مراجع سمجھی جاتی تھین، اسکا نام
عرصے تک دانائی اور صحت ترجمہ کیلئے ضرب المثل بنا رہا، جبرئیل بن بخت یشوع نے حنین بن اسحٰق کے کمال سے متاثر ہوکر کہا تھا:

فو اللہ لئن مد لہ العمر لیفضحن	خدا کی قسم اگر اس کی عمر نے وفا کی تو وہ سرجیوس
سرجس	(الراس عینی) کو بھی مات کردیگا۔

ابن ابی اصیبعہ سرجس کے بارے مین لکھتا ہے:

وسرجس ہذا الذی ذکرہ جبرئیل	اور یہ سرجس جس کا جبرئیل نے ذکر کیا ہے،
ہو الراس عینی وہو اول من	وہ سرجیوس الراس عینی ہے جس نے سب سے
نقل شیئاً من علوم الروم	پہلے یونانی علوم کو سریانی زبان مین ترجمہ
الی اللسان السریانی[2]	کیا تھا۔

اس صدی کے دوسرے یعقوبی مترجم یونان الدیالمی، اہطفن بر صدیلہ، انولوجیا (Theologia)
کا مجہول سریانی مترجم اور اخودیما (Ahudemmeh) ہین، اخودیما ۵۷۶ء مین تکریت کا اسقف

[1] Doctrine of Incarnation by R. L. Ottley, p. 435 [2] طبقات الاطباء جلد ۱ ص ۱۸۶
[3] التراث الیونانی ص ۵۵

مقرر ہوا۔ اس نے یوحنا فیلو پونس کی تعلیقات سریانی بولنے والے یعاقبہ کے درس میں داخل کیں اور تریاقات منطق پر کچھ رسائل لکھے۔ اس نے فلسفہ کے دوسرے موضوعوں پر بھی خامہ فرسائی کی ہے[1]

ساتویں صدی کا سب سے بڑا یعقوبی مترجم سویرس سی بوخت تھا، اس کا زمانہ اسلامی فتوحات سے پہلے کا ہے۔ سویرس نے ارسطو کی باری ارمینیاس پر تعلیقات لکھیں جس کے بعض اجزا اب بھی موجود ہیں، اس کے علاوہ انالوطیقا پر ایک مقالہ بطور تعلیقات لکھا۔ نیز کتاب الخطابہ (ریطوریقا) کے معضلات کو حل کیا۔

سویرس کے دو شاگرد تھے۔ اتناسیوس البلدی (Athanasius of balad) جو ۶۸۴ء میں اسقف مقرر ہوا۔ اس نے ایساغوجی کا دوبارہ سریانی میں ترجمہ کیا، اس کا ایک نسخہ ویٹیکن (Vatican) کی لائبریری میں موجود ہے۔ دوسرا شاگرد یعقوب الرہادی تھا جو رہا کا اسقف تھا مگر ۶۸۸ء میں اس عہدے سے مستعفی ہوگیا۔ اس نے مصطلحات فلسفہ پر ایک طبی مقالہ لکھا جو برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔

اتناسیوس اور یعقوب الرہادی کا شاگرد جرجیس، اسقف العرب تھا جو ۶۸۶ء میں عرب کا اسقف مقرر ہوا۔ اس نے قاطیغوریاس، باری ارمینیاس اور انالوطیقا کا سریانی میں ترجمہ کیا۔ ہر کتاب کے شروع میں مقدمہ لکھا اور متن پر تعلیقات۔ ان تراجم کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

ان سبھی مترجمین میں ابتکار اور تعمق فکر کی تلاش بے سود ہے۔ ان کا یہی احسان کیا کم ہے کہ انہوں نے ارسطاطالیسی متون کو یونانی سے سریانی میں منتقل کیا اور انکے مفاہیم کو محفوظ رکھنے کیلیے ان پر تعلیقات لکھیں، تعلیق کی شکل یہ ہوتی تھی کہ متن کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لیکر جو بسا اوقات چند کلمات سے زائد نہ ہوتا اس کی شرح لکھتے جو بعض اوقات کئی کئی صفحات پر مشتمل ہوتی۔

بعد کے سریانی مترجمین کی خدمات ہمارے موضوع سے خارج ہیں کیونکہ نویں صدی سے بلکہ آٹھویں صدی ہی سے باقاعدہ عربی میں ترجمہ شروع ہوگیا تھا۔

ایران میں فلسفہ و حکمت کی سرپرستی

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ پانچویں صدی کے نصف آخر میں نسطوری مبلغوں نے

[1] التراث الیونانی ص ۵۵

اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ یونانی منطق و فلسفہ کو بھی ایران میں داخل کیا مگر ایران اس سے بہت پہلے یونانی فلسفہ سے آشنا ہو چکا تھا۔ سکندر اعظم نہ صرف مشرقی ممالک کی تسخیر کے ارادے سے چلا تھا بلکہ بقول ووران (Durant) "اس کا خیال تھا کہ اس (یونانی) تہذیب و شائستگی کو اپنی فتحمند فوجوں کے ذریعے سے مشرق میں پھیلائے۔ ...... اور سکندر کو امید تھی کہ ان معروف مقامات سے یونانی فکر اور یونانی اشیاء سے تجارت دنیا میں پھیل گئی[1]،" وہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب بھی ہوا کیونکہ اس کے بعد ایران کے اشکانی بادشاہ یونانی زبان و ادبیات کا اس حد تک احترام کرتے تھے کہ اس میں پرستش کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ بادشاہ مہرداد جس نے مشتاق یونان (Philhellenes) کا لقب اختیار کیا تھا اسے اس کے جانشینوں نے برقرار رکھا۔ یونانی بعض ایرانی علاقوں کی زبان بھی تھی۔ ان کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے کتبے ابھی تک باقی ہیں[2]۔

اشکانیوں کے بعد ساسانی خاندان برسر اقتدار آیا۔ اس نے بھی اس یونان پسندی کو برقرار رکھا، ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں نے بھی اپنے کتبوں میں یونانی زبان کو استعمال کیا۔ اردشیر اور شاپور نے یونان سے فلسفہ و حکمت کی کتابیں منگا کر فارسی میں ترجمہ کرائیں جیسا کہ ابن الندیم کہتا ہے:-

تملك اردشير بن بابك	جب اردشیر بن بابکان بادشاہ ہوا......
فبعث الى بلاد الهند والصين فى	تو اس نے ہندوستان، چین اور روم سے جو کتابیں
الكتب التى كانت قبلهم والى الروم	ان کے یہاں تھیں منگائیں...... اس کے
...... وفعل ذلك من بعده ابنه	بعد اس کے بیٹے شاپور نے بھی اس علمی سرپرستی
سابور حتى نسخت تلك الكتب كلها	کو جاری رکھا اس طرح یہ کتابیں فارسی میں ترجمہ
بالفارسية[3]	ہوئیں۔

[1] حکایت فلسفہ ص ۱۳۱-۱۳۲ [2] ایران بعہد ساسانیاں از آرتھر کرسٹن سین ص ۵۷

[3] الفہرست لابن الندیم ص ۳۳۳-۳۳۴

اسی طرح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا ایک مقالہ نویس "فارسی" کے زیر عنوان لکھتا ہے:

"شاپور اول نے جو زیادہ وسیع النظر معلوم ہوتا ہے مذہبی تصانیف میں طب، ہیئت، ریاضی، فلسفہ، حیوانیات وغیرہ کے موضوعوں پر علمی کتابوں کا اضافہ کیا جو کچھ ہندوستانی اور کچھ یونانی مصادر سے ماخوذ تھیں[1]"

شاپور ہی کے زمانہ میں مانی نے ایک نیا مذہب جاری کیا، اس کا خلاصہ اسکندر لیکوپولسی نے محفوظ رکھا ہے، اسے دیکھ کر شیڈر نے یہ رائے قائم کی ہے کہ مانی نے اپنے مذہب کی تعمیر فلسفہ یونان کی بنیاد پر کی ہے[2]، اس طرح ابتدا ہی سے ایرانی ثقافت یونانی فلسفہ سے متاثر تھی۔

فیروز (۴۵۹-۴۸۴) کے زمانہ میں نسطوری فرقے نے رومی سلطنت میں پناہ حاصل کرنے سے مایوس ہو کر برصوما کی قیادت میں ایران کی طرف ہجرت کی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، فیروز نے سیاسی مصالح کی بنا پر انھیں پناہ دی اور انھوں نے الرہا کے "ایرانی مکتب" کے مقابل جس پر یعاقبہ کا قبضہ تھا نصیبین میں اپنا مدرسہ قائم کیا جو بعد میں مشرق کے عیسائیوں کا مرکز بن گیا، نسطوریوں نے اہل ملک کو عیسائی بنانے میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا اثر پورے ایران میں قائم ہو گیا[3] لیکن یہ نسطوری جس طرح مسیحیت کا سرچشمہ تھا اسی طرح یونانی فلسفہ کا بھی مظہر ہوتا تھا۔ اس طرح ایران میں مسیحیت کے ساتھ ساتھ یونانی فلسفہ کو بھی جسے قدیم زمانے ہی سے ملک میں مقبولیت حاصل تھی فروغ نصیب ہوا۔

۵۳۱ء میں خسرو انوشیروان سریر آرائے سلطنت ہوا اور چالیس سال تک حکومت کی، فلسفہ و حکمت کے ساتھ اس کے شغف کی داستانیں ایران سے نکل کر یونان و روم میں بھی پھیل گئی تھیں اور جب ۵۲۹ء میں قیصر یوسطیانوس (Justinian) نے ایتھنز کے مدرسہ فلسفہ کو بند کر دیا تو یونان کے آخری معلمین فلسفہ نوشیروان ہی کے دربار میں پناہ لینے پہنچے۔ [illegible] انھوں نے سن رکھا تھا اور انھیں یقین تھا کہ افلاطون کی "جمہوریت" ایران کی استبدادی

۱ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد [illegible] ۲ ایران بعہد ساسانیان ص ۴۴ ۳ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد بست و نہم ص ۲۲

حکومت میں تشکیل ہو گئی ہے اور ایک وطن دوست بادشاہ سب سے زیادہ نیکوکار اور بابرکت قوم پر حکومت کرتا ہے[1]"

نوشیروان نے ان کا بڑی فیاضی سے خیر مقدم کیا اور اس کے حکم سے انھوں نے یونانی حکماء کی منطق و طب کی بعض کتابوں کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا جس سے لوگوں میں فلسفہ کی رغبت بڑھی۔

نوشیروان نے بحث و مناظرے کیلئے مجلس بھی قائم کی تھی جس سے اس کے بعض یونانی جلساء کو خیال ہونے لگا تھا کہ وہ افلاطون کا شاگرد ہے[2]۔ یورینیس (Uranius) جو فلسفی اور طبیب تھا اور قوم کا سریانی تھا خسرو انوشیروان کو فلسفہ پڑھاتا تھا[3]۔ مشہور مورخ فلسفہ ڈاکٹر ڈی ولف لکھتا ہے:

"فارس میں خسرو انوشیروان کے مہمان نواز دربار نے یونانی فلسفہ کے آخری علمبرداران دمسقیوس سریانی، سنبلیقیوس اور دیگر نو فلاطونیوں کو ان کے ایتھنز سے جلا وطن کئے جانے پر خوش آمدید کہا، ایرانی دربار میں ان پناہ گزین فلاسفہ کی آمد سے نصیبین اور جندی سابور کے مدارس میں ایک فلسفیانہ تحریک کا آغاز ہوا، اس دربار میں [illegible] نے ارسطو اور افلاطون کی مصنفات کا فارسی میں ترجمہ کیا[4]"

اس طرح خسرو انوشیروان کی علم دوستی سے ایران میں یونانی منطق و فلسفہ کو غیر معمولی فروغ نصیب ہوا اور اگرچہ بقول گبن "خسرو انوشیروان کا علم نمائشی اور سطحی تھا لیکن جو مثال اس نے قائم کی اس سے ایک ذہین اور طباع قوم کا جذبہ تلاش و تجسس بیدار ہو گیا اور علم و حکمت کی روشنی مملکت ایران کے طول و عرض میں پھیل گئی"[5]

نوشیروان نے عیسائیوں کے مدرسہ نصیبین کے انداز پر جندی سابور میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا، گبن کہتا ہے:

"جندی سابور میں جو دار السلطنت کے مضافات میں ہے علوم طبعیات کا ایک بیت الحکمۃ (اکیڈیمی) قائم کیا گیا جو بتدریج شاعری، فلسفہ اور خطابت کا ایک مدرسہ بن گیا"[6]

اس مدرسہ کے مروجہ نصاب فلسفہ و حکمت سے کتاب یا دبیران کا طبقہ سب سے زیادہ مستفید ہوا کیونکہ انھیں اپنے پیشہ کے مقتضیات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خطابت کے ساتھ ساتھ مروجہ علوم حکمت سے واقفیت بہم پہنچانا

۱ Decline and Fall of Roman Empire by Gibbon Vol IV P 266 ۲ ایضاً جلد دوم ص ۲۹۸
۳ ایران بعہد ساسانیان ص ۴۴۸ ۴ History of Medieval Philosophy by Dr. Wulf P. 225-226
۵ سلطنت روم کا زوال و سقوط جلد چہارم ص ۳۶۱ ۶ ایضاً

ضروری تھا چنانچہ نظامی عروضی "چہار مقالہ" میں لکھتا ہے:

"دبیری صناعتیست مشتمل بر قیاسات خطابی و بلاغی ...... پس دبیر باید کہ ...... از قیاسات منطقی بعید و بیگانہ نباشد"[1]

اس طرح یونانی منطق و فلسفہ کو ایران کے کتاب (دبیران) میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی بلکہ انھوں نے علوم کی کتابت کیلئے دو نئے رسم الخط بھی ایجاد کئے، ابن الندیم "الکلام علی قلم الفارسی" کے زیر عنوان لکھتا ہے:-

"ولکتابۃ اخری لہم یقال لہا نیم گشتج
وھی ثمانیۃ وعشرون حرفاً
یکتب بہا الطب والفلسفۃ"[2]

(اور اہل ایران کا ایک دوسرا رسم خط بھی تھا جسے نیم گشتج کہا جاتا ہے وہ اٹھائیس حروف ہیں، اس رسم الخط میں طب اور فلسفہ لکھی جاتا تھا۔)

آگے چل کر لکھتا ہے:-

"ولہم کتابۃ اخری یقال لہا راس شہریۃ یکتب
بہا المنطق والفلسفۃ وھی اربعۃ وعشرون حرفاً
وفیہا نقط ولم تقع الینا"[3]

(اور ان میں ایک اور رسم الخط بھی مستعمل ہے جسے راز شہریہ کہا جاتا ہے، اسی رسم الخط میں منطق اور فلسفہ کی کتابیں لکھی جاتی تھیں یہ چوبیس حروف پر مشتمل ہے اور اس میں نقطے بھی ہوتے ہیں یہ رسم الخط ہم تک نہیں پہنچا)

غرض دو سکندر کی فاتحانہ مساعی، دو شاہان اشکانی کی یونان پسندی نے اور بعد میں نسطوری مبلغین کی تبلیغی مساعی اور نوشیروان کی علم دوستی نے یونانی منطق و فلسفہ کو ایران میں مقبول بنایا، اس طرح بکثرت یونانی فلسفہ اور ارسطاطالیسی منطق کی کتابیں (دوسری زبانوں کے تراجم بھی اور مستقل تصنیفات بھی) پہلوی زبان میں لکھی گئیں، ان کتابوں کو پڑھ کر عباسی دور کا ہر کاتب منطق و فلسفہ میں کتابیں تصنیف کیا کرتا تھا چنانچہ ابن الندیم کہتا ہے:-

"وقد کان الفرس نقلت فی القدیم شیئاً
من کتب المنطق والطب الی اللغۃ الفارسیۃ فنقل
ذلک الی العربی عبد اللہ بن المقفع وغیرہ"[4]

(اور ایرانیوں نے قدیم زمانہ میں منطق اور طب کی بعض کتابوں کا فارسی (پہلوی) زبان میں ترجمہ کیا تھا، ان تراجم کو عبد اللہ ابن المقفع وغیرہ نے عربی میں ترجمہ کیا)

[1] چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی ص ۱۵، [2] الفہرست ابن الندیم ص ۲۰ [3] ایضاً ص ۲۱ [4] ایضاً ص ۳۴۳

ابن الجزری

از جناب مولانا محمد عبد العلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند

(۲)

شعر و سخن کا ذوق

ابن الجزری کو شعر و سخن کا فطری ذوق تھا، انھوں نے اس ملکہ سے بھی قرآن و حدیث کی خدمت کی، فن تجوید کے اصول اور قواعد کو اشعار میں منضبط کیا، اور قراتوں کے اختلاف کو نظم کیا تاکہ یاد کرنے میں سہولت ہو، چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں دس قراتوں میں شاطبیہ کا تکملہ نظم الہدایہ فی تتمۃ العشرہ نامی لکھا جس کا وزن اور قافیہ بھی وہی ہے جو شاطبیہ کا ہے،[1]

[1] علامہ شاطبی کے انداز پر لکھنا نہایت مشکل کام ہے، جیسا کہ ابن الجزری کا بیان ہے

من وقف علی قصیدتیہ علم مقدار
ما آتاہ اللہ تعالیٰ فی ذلک خصوصاً
اللامیۃ التی عجز البلغاء من بعدہ
عن معارضتہا فانہ لا یعرف مقدارہا
الا من نظم علی منوالہا او قابل
بینہا وبین ما نظم علی طریقہا
(مفتاح السعادۃ، ج ۱ ص ۳۸۸)

جو ان کے دونوں قصیدوں سے واقف ہوگا اس کو اس کا اندازہ ہوگا کہ فن قراءت میں اللہ تعالیٰ نے انکو کتنا علم عطا کیا تھا، خاص طور سے لامیہ کو جسکے مقابلہ سے بعد کے بلغاء بھی عاجز آگئے، اسکی قدر وہی جان سکتا ہے جس نے اس انداز پر نظم لکھی ہو یا جس نے اس اور اس نظم کے درمیان جو اس انداز پر لکھی گئی ہو موازنہ کیا ہو،

(باقی ص ۳۴۳ پر)

مقدمۃ الجزریہ طالبعلموں کو آج بھی ابتدا میں یاد کرایا جاتا ہے، طیبۃ النشر میں سبعہ اور عشرہ قراتوں کے اختلافات کو ایک ہزار اشعار میں نظم کیا، جو اس زمانہ میں بھی قاری یاد کرتے اور تکمیل فن کے لیے آج بھی اس کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اصول حدیث میں بھی ایک ارجوزہ آپ کی یادگار ہے، آپ کی بیشتر نظمیں اسی قسم کی ہیں، ان کے علاوہ جو اشعار ہیں، وہ عشق نبوی میں ڈوبے ہوئے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نے شاگردوں کو شمائل ترمذی ختم کرائی تو فی البدیہہ یہ دو شعر کہے تھے،

اخلائی ان شط الحبیب و ربعہ   وعز تلاقیہ وناءت منازلہ

میرے پیارے دوستو! اگر محبوب اور اسکی منزل دور ہے، اس سے ملاقات مشکل اور اسکے کوچے تک رسائی دشوار ہے

وفاتکم ان تبصروہ بعینکم   فما فاتکم بالسمع ہذی شمائلہ

اور اگر تم سے یہ نہ ہو سکے کہ تم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو تو تمھارے لیے یہ تو ممکن ہے کہ تم انکے خصائل اور شمائل کا حال سنو،

دیار حبیب کے متعلق بھی یہ دو شعر سن لیجئے،

مدینۃ خیر الخلق تجلو لناظری   فلا تعذلونی ان قتلت بہا عشقا

افضل الموجودات کا مدینہ میری آنکھوں کو جلا بخشتا ہے، اگر میں اس کے عشق میں مارا جاؤں تو مجھکو برا بھلا نہ کہو

وقد قیل فی زرق العیون شآمۃ   وعندی ان الیُمن فی عینہا الزرقاء

اور کہا تو یہ جاتا ہے کہ چشم نیلگوں بدفال ہوتی ہے، لیکن میرے نزدیک اسکے عین الزرقا[۱] میں نیک فالی ہی نیک فالی ہے

ختم مسند پر ایک دالیہ کہا تھا جس میں بڑی آمد اور روانی ہے، فرماتے ہیں،

حدیث النبی المصطفیٰ خیر مسند   وسنتہ الغراء ارفع مسند

نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بہترین مسند ہے، اور آپ کی تابناک سنت سب سے اعلیٰ مسند ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو نظم پر کیسی زبردست قدرت حاصل تھی، کہ عنفوان شباب ہی میں شاطبیہ کے انداز پر اس کا تکملہ لکھا۔   [۱] مدینہ الرسول کے پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے۔

فطوبی لمن اضحی الحدیث شعارہ   وبشری لمن آسی بالاخیار یقتدی

خوش نصیب جس کا شعار علم حدیث بن گیا ہو، اور قابل مبارک ہے وہ جو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے لگا ہو

ویا فوز من بات النبی سمیرہ   ومن نورہ فی ظلمۃ الجہل یہتدی

اور اے بامراد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے ہمکلام ہوں، اور وہ ان ہی کے نور سے جہالت کی تاریکی میں ہدایت یافتہ ہو

یا سعد من کان الصحابۃ حولہ   یروح علیہم بالحدیث ویغتدی

اور اے خوش نصیب کہ جسکے پاس صحابۂ کرام موجود ہوں، اور وہ صبح وشام ان سے باتیں کرتا ہو،

وان کتاب المسند البحر للذی   فتی حنبل للدین اٰیۃ مسند

اور حقیقت میں مسند احمد تسلیم ورضا کا سمندر ہے، حنبل کا نوجوان دین کے لیے اسناد کی ایک نشانی ہے،

حوی من حدیث المصطفیٰ کل جوہر   وجمع فیہ کل در منضد

اس نے حدیث مصطفیٰ کا ایک جوہر اکٹھا کیا ہے، اور اس میں تہ بہ تہ ہر موتی کو جمع کیا ہے۔

فما من صحیح کالبخاری جامعاً   ولا مسند یلقی کمسند احمد

صحیح بخاری کی طرح کوئی جامع کتاب نہیں ہے، اور نہ مسند احمد کی طرح مسند ہے۔

امام ہدی للناس افضل مقتدی   شدید کبیر للخلائق مرشد

وہ لوگوں کے واسطے امام ہدایت اور افضل رہنما ہیں، خلق کے لیے بہترین مرشد اور رہبر ہیں

ہو الصابر الاواہ فی محن دہت   لہ المنۃ العظمیٰ علی کل مہتدی

وہ ناگہانی مصیبتوں میں صبر کرنے والے اور نرم دل ہیں۔ ہر ہدایت یافتہ پر آپ کا بڑا احسان ہے

یا الٰہی وارحم کل من ہو حاضر   ومن غائب الینا فاعف عنہ واسعد

یا الٰہی حاضرین مجلس پر رحم فرما۔ اور جو موجود نہیں ہیں انھیں معاف کر اور نیک بخت بنا

ما کان من حاجاتنا فاقضہ لنا   وحطنا وجد والطف وسلم وایّدا

ہماری جو بھی حاجتیں ہیں ان کو پورا فرما، ہمارے گناہ معاف کر، ہم پر عنایت فرما، ہمیں مسرت بخش، سلامت رکھ اور قوت

وقد قاله العبد الفقیر محمد فتی الجزری السائل العفو فی خذ [۱]

یہی دعا ہے اس عاجز فقیر محمد الجزری کی، جو کل بھی تجھ سے معافی کا طلب گار ہے۔

آپ کی نظم کے بارہ میں حافظ ابن حجر کی اس رائے "نظم وسط" کہ نظم اوسط درجہ کی ہوتی ہے، کا سبب یہ ہے کہ شعر و سخن کا تعلق زیادہ تر حسن و عشق سے ہے، شاعر کے اصلی جوہر اسی میدان میں کھلتے ہیں، اور ابن الجزری نے فن کے قواعد کو اشعار میں نظم کیا ہے، وہ بھی اصول تجوید اور قرائتوں کے اختلافات کو علوم حدیث اور اصول حدیث کو، بھلا ان اشعار میں رنگینی اور لطف کیونکر پیدا ہو سکتا ہے،

بڑے سے بڑا شاعر بھی کسی خاص فن کے قواعد کو اشعار میں نظم کرے تو وہ خوبیاں ہرگز پیدا نہیں کر سکتا جو حسن و عشق کی داستان میں کی جا سکتی ہیں، کسی فن کے مسائل کو نثر ہی میں لکھنا مشکل ہے، نہ کہ نظم کرنا، اس کے باوجود اگر آپ کی نظم اوسط درجہ کی ہے تو بھی بڑا کمال ہے،

فصاحت و بلاغت | مذہبی علوم کے علاوہ زبان و ادب کا مذاق بھی نہایت پاکیزہ اور بلند تھا، اور ادب میں بھی خاصی مہارت حاصل تھی، آپ کا شمار اپنے دور کے فصحا میں تھا، تقی الدین احمد المقریزی درر العقود الفریدہ میں لکھتے ہیں

کان ...... فصیحا بلیغا له	آپ نہایت جمیل و شکیل اور فصیح و بلیغ انسان تھے،
نظم و نثر و خطب	نظم و نثر اور خطبے آپ سے یادگار ہیں،

ابن حجر عسقلانی نے بھی انباء الغمر میں اس امر کا اعتراف کیا ہے،

انه کان ثریا ...... فصیحا و بلیغا [۲]	آپ صاحب ثروت اور بڑے فصیح و بلیغ تھے،

---

[۱] المصدر الاحمد ص ۵۵ [۲] انباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع للسخاوی،

حافظہ اور ذکاوت | علم کے ذوق و شوق کے ساتھ حافظہ بھی نہایت قوی پایا تھا، جو چیز ایک دفعہ یاد کر لی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہو گئی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ حدیثیں سندوں کے ساتھ یاد تھیں، فہم و ذکا سے بھی وافر حصہ ملا تھا جس کا اندازہ آپ کے شیوخ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے، جو انھوں نے فن حدیث کی ترغیب دیتے ہوئے آپ سے کہے تھے،

انت! ذهنك رائق و فهمك	تم! تمھارا ذہن بڑا رسا اور تمھاری سمجھ
فائق!	خوب ہے،

اخلاق و عادات | آپ بڑے ملنسار، شیریں گفتار اور خدا ترس تھے، جب بات کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے، آپ کے فقرہ فقرہ سے فصاحت و بلاغت ٹپکتی تھی، مزاج میں تواضع اور انکسار تھا، لوگوں کے ساتھ .... احسان اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت دنیا سے بھی وافر حصہ دیا تھا، اہل حجاز کے ساتھ خصوصیت سے بہت احسان کرتے تھے، حافظ ابن حجر انباء الغمر میں لکھتے ہیں،

کثیر الاحسان لاهل الحجاز [۱]	اہل حجاز کے ساتھ دل کھول کر احسان کرتے تھے،

عبادت اور ریاضت | علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ، بڑے عابد اور نہایت مرتاض بزرگ تھے، زندگی کے مشاغل ثلاثہ میں تیسرا مشغلہ عبادت اور ریاضت ہی تھا، جو سفر و حضر میں بھی نہ چھوٹتا تھا،

انضباط اوقات | ابن الجزریؒ نے اپنے شبانہ روز کے مشاغل اور اوقات کار کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا،

(۱) قرأت کی تعلیم اور درس حدیث (۲) تصنیف و تالیف (۳) عبادت اور یاد الٰہی

---

[۱] انباء الغمر بحوالہ الضوء اللامع ج ۸ ص ۲۵۹

تمام عمر ان امور پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہے، ہر مہینہ میں تین روزے رکھتے تھے، دوشنبہ، اور پنجشنبہ کا روزہ اس کے علاوہ تھا، جو کبھی قضا نہ ہوا، سفر تک میں بھی شب بیداری اور تہجد گذاری میں کبھی فرق نہ آیا، نواب صدیق حسن خاں قنوجی اتحاف النبلاء میں لکھتے ہیں،

"اوقاتش معمور بود بہ شغل قرأت قرآن، یا اسماع حدیث یا عبادت در اوقات او برکت محسوس بود باوجودیکہ مردم بطلب این دو علم بروے ہجوم داشتند واوراد وعبادات وظیفہ داشت آں قدر ہر روز تصنیف می کرد کہ کاتب جید سریع الکتابت می نوشت در سفر و حضر بیدار وقائم اللیل می ماند ہرگز روزۂ دوشنبہ وپنجشنبہ از وے فوت نمی شد وسہ روزہ از ماہ نیز می نہاد۔"[۱]

قبولیت عام اپنے فضل وکمال اور زہد وورع کی بنا پر مرجع خلائق بن گئے تھے، قرا اور طالبان حدیث دور دور سے استفادہ کے لیے آتے تھے، جہاں جاتے تھے، شائقین کا ٹھٹھ لگ جاتا، قاہرہ میں پہنچے تو لوگ ٹوٹے پڑتے تھے، یمن آئے تو لوگ حصول سند میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرنے لگے، خلفا وسلاطین کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ جس خلیفہ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا اس نے تاحیات آپ کو نہ چھوڑا، بایزید بن عثمان جب تک زندہ رہا، اس نے آپ کو اپنے ہی پاس رکھا، امیر تیمور نے بھی مرکر ہی مفارقت اختیار کی، پیر محمد حاکم شیراز نے زندگی بھر شیراز سے نکلنے نہ دیا،

بمقبولی کسے را دسترس نیست قبول خاطر اندر دست کس نیست

وفات ابن الجزری نے کم وبیش پچیس سال تک متواتر قرآن وحدیث کی خدمت کرنے کے بعد ۸۲ سال کی عمر میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے ۵ ربیع الاول ۸۳۳ھ میں (جو مرزا شاہ رخ کا عہد تھا) شیراز میں اپنی قیام گاہ محلہ اسکافین (موچی محلہ) میں انتقال فرمایا اور اپنے مدرسہ دار القرآن

---

[۱] اتحاف النبلاء (مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ) ص ۳۹۲

میں سپرد خاک کیے گئے۔ سقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ منزلہ ومثواہ آمین[۱]

غایۃ النہایہ میں جنازہ کی کیفیت آپ کے ایک تلمیذ کی زبانی اس طرح مرقوم ہے

"جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو اتنا ہجوم تھا کہ اعیان مملکت، عوام وخواص جنازہ کو کندھا دینے، چھونے اور بوسہ دینے میں ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے، جن کو جنازہ تک

---

[۱] بعض کتابوں میں سال وفات سہواً غلط درج ہوگیا ہے، یہ غلطی حاجی خلیفہ سے کشف الظنون میں ہوئی ہے، انھوں نے الحصن الحصین کے ضمن میں اور ابن الجزری کی بعض دوسری کتابوں کا تعارف کراتے ہوئے سال وفات ۸۳۲ھ اور ۸۳۷ھ لکھدیا ہے، نواب صدیق حسن خان نے بھی اتحاف النبلاء میں ۸۳۲ھ لکھا ہے، جس پر مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے تذکرۃ الراشد وتبصرۃ الناقد (مطبع انوار محمدی لکھنؤ ص ۱۹۶) اور ابراز الغی (مطبع انوار محمدی لکھنؤ ص ۲۴) نہایت سخت تنقید کی ہے، نواب صدیق حسن خاں سے یہ غلطی محض کشف الظنون کی اتباع میں ہوئی ہے، کشف الظنون چونکہ اسلامی علوم پر کتابوں کی ایک جامع فہرست اور ان کا اجمالی تعارف ہے، اسی لیے اس میں سنین وفات کی صحت کا چنداں اہتمام نہیں ہے، جو لوگ صرف اس پر اعتماد کرکے تاریخ وفات نقل کرتے ہیں وہ عموماً غلطی کرتے ہیں، نواب صدیق حسن خاں کے پیش نظر بھی کشف الظنون رہی ہے، اس لیے ان سے بھی تاریخ وفات لکھنے میں بڑی غلطیاں ہوئی ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ غلطی بھی ہے،

تاج العروس میں مادہ جزر کے تحت موصوف کا سال وفات ۸۳۵ھ درج ہے جو کتابت یا طباعت کی غلطی ہے،

مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے الانس الجلیل کے حوالہ سے طرب الاماثل بتراجم الافاضل (مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۳۴۰ھ ص ۲۶۰) میں لکھا ہے کہ آپ نے بقرعید کے دن انتقال فرمایا، مگر یہ تاریخ بھی صحیح نہیں ہے، ہم نے جو تاریخ اور سنہ وفات اوپر نقل کیا ہے وہی صحیح ہے، غایۃ النہایہ میں ابن الجزری کے تلمیذ کی زبانی یہی منقول ہے، یہی طاش کبری زادہ اور مورخ سخاوی نے بھی سال وفات بیان کیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی، ابن عرب شاہ، محدث عبد الباقی زرقانی اور مولف حبیب السیر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے،

پہنچنا ممکن نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کرتے تھے جنھیں امام الجزریؒ کے جنازہ کے ہاتھ لگانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، آپ کے انتقال سے اسلام کی بہت سی مہتم بالشان یادگاریں مٹ گئیں[1]"

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ۔۔۔ ولکنہ بنیان قوم تھدما

اولاد و احفاد پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں آپنے یادگار چھوڑیں، سب سے بڑے ابو الفتح محمد الجزری تھے، منجھلے کا نام ابو بکر محمد الجزری تھا، ان سے چھوٹے ابو الخیر محمد الجزری تھے، یہ تینوں بڑے نامور محدث قاری اور فقیہ تھے، ابن الجزری نے طبقات القراء میں ان کا تذکرہ لکھا ہے، دو فرزند ابو البقا اسماعیل اور ابو الفضل اسحاق بھی قاری اور محدث تھے، لڑکیوں میں فاطمہ، عائشہ اور سلمیٰ تھیں، یہ بھی جلیل القدر محدثہ اور فن قرأت کی ماہر تھیں، طاش کبری زادہ کا بیان ہے

جمیع ھولاء من القراء المجودین ۔۔۔ یہ سب فن تجوید کی بہترین عالم، بہت اچھی

والمرتلین ومن الحفاظ المحدثین[2] ۔۔۔ قاری اور حافظ حدیث تھیں،

تصنیفات و تالیفات (۱) تجوید و قرأت: اتحاف المہرہ فی تتمۃ العشرہ،[3]

(۲) اصول القرأت ۔ یہ اصول قرأت میں ایک مختصر ہے۔[4]

(۳) اعانۃ المہرہ فی الزیادہ علی العشرہ ۔ یہ عشرہ کے بعد کی قرأتوں کے بیان میں ہے،[5]

(۴) الغاز ۔ یہ فن قرأت میں ایک منظوم ہمزیہ ہے جس میں قرأتوں کے اختلافات بطور چیستان بیان کیے گئے ہیں۔[6]

---

[1] غایۃ النہایۃ، مطبع السعادۃ، قاہرہ ۱۳۵۱ھ ج ۲ ص ۲۴۹ [2] مفتاح السعادہ ج ۱ ص ۳۹۶ [3] مقدمہ کتاب النشر از احمد محمد دہمان طبع دمشق و الضوء اللامع ج ۹ ص ۲۵۰ [4] ملاحظہ ہو کشف الظنون مطبوعہ استنبول ۱۳۶۰ھ ج ۱ کالم نمبر ۱۱۴ [5] مقدمہ کتاب النشر و الضوء اللامع [6] کشف الظنون ج ۱ کالم ۱۵۰

(۵) تحبیر التیسیر فی العشر ۔ یہ علامہ دانیؒ کی مشہور کتاب التیسیر جو سبع قرأتوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور مقبول کتاب ہے، اس میں آپ نے تین اور قرأتوں کو اضافہ کر کے اسی کا نام تحبیر التیسیر رکھا ہے، یہ آپ کی ابتدائی تالیفات میں سے ہے،[1]

(۶) التقریب ۔ یہ النشر کی تلخیص اور اس کا نہایت جامع مختصر ہے،[2]

(۷) التمہید فی علم التجوید ۔ یہ رسالہ اصول تجوید میں ہے، اسے ۷۶۹ھ میں تالیف کیا تھا۔[3]

(۸) الدرۃ المضیہ فی قرأت الائمۃ الثلاثۃ المرضیہ ۔ یہ عشرہ میں شاطبیہ کا منظوم تکملہ ہے، جو ۲۴۱ اشعار پر مشتمل ہے، اس کا وزن اور قافیہ بھی وہی ہے، جو شاطبیہ کا ہے، جمادی الآخر ۸۲۳ھ میں مکمل ہوا، ابن الجزریؒ کے بعض تلامذہ اور بعض علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں، یہ مجموعہ قرأت کے ساتھ قاہرہ سے شائع ہو گیا ہے۔

(۹) شرح طیبۃ النشر ۔ یہ عشرہ میں ایک منظوم کتاب طیبۃ النشر پر حواشی اور اس کی مختصر شرح ہے۔[4]

(۱۰) شرح النشر ۔ یہ النشر پر حواشی اور اس کی شرح کے مغلق مقامات کی توضیح اور شرح ہے۔[5]

(۱۱) طیبۃ النشر ۔ نظم میں قرأت عشرہ کا بیان ہے، شعبان ۷۹۹ھ مطابق ۱۳۹۶ء میں یہ نظم لکھی تھی، جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور قاہرہ سے پہلی مرتبہ ۱۲۸۲ھ اور پھر ۱۳۰۷ھ میں شائع ہو چکی ہے،

(۱۲) العقد الثمین ۔ یہ الغاز کی غیر منظوم شرح ہے، اس کی ایک شرح سراج الدین ابو حفص عمر بن قاسم انصاری نے بھی کی تھی جس کا نام العقد الجوہری فی حل الغاز الجوہری رکھا تھا،[6]

---

[1] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام [2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۹۵۲ [3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام [4] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۰۴۲ [5] ایضاً ۱۰۴۲ [6] ایضاً ۱۱۵۰

(۱۳) غایۃ المہرۃ فی الزیادۃ علی العشرۃ - یہ کتاب عشرہ اور اثنا عشر قراٰتوں کے بیان میں ہے[1]۔

(۱۴) القراٰات الشاذہ - یہ شاطبیہ کے انداز پر شاذ قراٰتوں کے بیان میں ایک منظوم رسالہ ہے اور رمضان ۷۹۶ھ کی تالیف ہے[2]،

(۱۵) المقدمۃ الجزریہ - یہ فن تجوید میں ایک منظوم رسالہ ہے جو ایک سو دس شعروں پر مشتمل ہے، مصر اور تبریز میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

تلاوت سے قبل قرآن پڑھنے والے پر جن باتوں کا جاننا ضروری ہے، ان ہی باتوں کو اس رسالہ میں بیان کیا ہے۔ آپ کے فرزند ابوبکر احمد الجزری نے اس کی شرح لکھی تھی جس کا نام الحواشی المفہمہ بشرح المقدمہ رکھا تھا، بعد میں علماء نے اس کی بکثرت شرحیں لکھیں اور مختلف زبانوں میں لکھی ہیں، ان شرحوں کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ ملا قاری کی شرح المنح الفکریہ بہت مشہور ہے اور مصر سے شائع ہو گئی ہے۔ اردو زبان میں قاری محمود اور محمد ادریس نے بھی اچھی شرح لکھی ہے، جو ۱۳۵۴ھ میں برقی پریس دہلی سے شائع ہو گئی ہے،

(۱۶) منجد المقرئین و مرشد الطالبین - یہ کتاب سات ابواب پر منقسم ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ نہایت مفید کتاب ہے۔ شیخ محمد زاہد کوثری لکھتے ہیں۔

اس میں موصوف نے حافظ ابو شامہ کی کتاب المرشد الوجیز فی علوم القرآن العزیز کا رد کیا ہے۔ اس کتاب کے باب رواۃ العشر میں ثابت کیا ہے کہ قراٰات عشر کا ثبوت بھی متواتر ہے، اور یہ سلسلہ طبقہ بعد طبقہ برابر قائم ہے، اس کے راوی ہر زمانہ میں نہایت کثیر رہے ہیں، محدث شوکانی اور نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے اس کتاب کا مطالعہ کیے بغیر ابن الجزری سے اس کے غیر متواتر ہونے کا قول نقل کیا ہے، اور سبعہ قراٰات کی تنقیص کی ہے اور عشر

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام [2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۳۲۳

کا تو ذکر ہی کیا ہے[1]"

(۱۷) النشر فی القراٰات العشر - یہ عشرہ قراٰتوں میں نہایت مشہور اور بڑی مقبول کتاب ہے، فن قراٰات کی امہات الکتب میں اس کا شمار ہے، یہ کتاب صرف نو مہینہ کی قلیل مدت میں لکھی تھی، صاحب کشف الظنون نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے،

الجامع لجمیع طرق العشرۃ لم	یہ کتاب قراٰات عشر کے تمام طریقوں کی
یسبق الی مثلہ[2]	جامع ہے، اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے،

[1] التعلیقات علی ذیل طبقات الحفاظ للذہبی، از شیخ محمد زاہد کوثری۔ اس کے خطی نسخوں کے لیے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ائمہ فن قراٰات نے صحت قراٰات کے لیے ارکان ثلاثہ ضروری قرار دیے ہیں، ابن الجزری النشر میں رقمطراز ہیں کہ

(۱) ہر وہ قراٰات جو اصول عربیت کے مطابق ہو اگرچہ کسی ایک ہی طریقہ سے ہو، (۲) مصاحف عثمانیہ میں سے کسی ایک مصحف کے ضرور مطابق ہو، خواہ وہ مطابقت احتمالی ہو۔ (۳) سند صحیح سے ثابت ہو،

اس کو صحیح قراٰات کہا جاتا ہے، اس کا رد جائز اور انکار روا نہیں ہے، یہ احرف سبعہ میں سے ہے جن کے مطابق قرآن پاک کا نزول ہوا ہے، لہٰذا اس کا قبول کرنا لوگوں پر واجب اور فرض ہے، خواہ یہ ائمۂ سبعہ سے منقول ہو یا عشرہ سے یا ان کے علاوہ دیگر ائمۂ قراٰات سے مگر جب ان ارکان ثلاثہ میں سے کوئی رکن مختل ہو جاتا ہے، تو پھر اس قراٰات پر ضعیف یا شاذ یا باطل کا اطلاق ہوتا ہے، خواہ وہ ائمۂ سبعہ میں سے منقول ہو یا ان سے بھی بڑے بڑے ائمہ سے، یہی بات محققین سلف و خلف کے نزدیک صحیح اور معتبر ہے، چنانچہ علامہ دانی، مہدوی اور ابو شامہ نے اس امر کی تصریح کی ہے،

[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۹۵۲

محمد احمد دہمان کے مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ مطبعۃ التوفیق دمشق سے دو جلدوں میں پہلی بار ۱۳۴۵ھ میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی ہے،[1]

(۱۸) نظم الہدایہ فی تتمۃ العشرہ۔ اس کا نام بھی الدرۃ ہے۔ اس کو اٹھارہ سال کی عمر میں نظم کیا تھا، اسی زمانہ میں اتنی مقبول ہوئی کہ آپ کے بعض اساتذہ نے اس کو زبانی یاد کیا تھا،[2]

تفسیر: (۱۹) کفایۃ الالمعی فی آیۃ یا ارض ابلعی۔ یہ آیت شریفہ یا ارض ابلعی کی تفسیر اور اسکے وجوہ اعجاز کے بیان میں ہے، صاحب کشف الظنون کا بیان ہے کہ ابن الجزری نے آغاز کتاب میں لکھا ہے۔

"ایک مجلس میں اعجاز قرآن کی بحث آئی اور یہ ذکر ہوا کہ علامہ سکاکی نے اس آیت پاک کے وجوہ اعجاز کو خوب لکھا ہے، چنانچہ میں نے اس آیت پاک کے ان وجوہ اعجاز کو لکھا جن کو علامہ سکاکی نے بھی بیان نہیں کیا تھا، اور اس کو لکھکر سلطان رضا کیا ابن سید علی کیا الحسینی الطوسی کی خدمت میں پیش کیا"[3]

(۲۰) حدیث: الاجلال والتعظیم فی مقام ابراہیم: اس میں مقام ابراہیم کے فضائل مذکور ہیں،[4]

الاربعین: اس میں چالیس نہایت مختصر اور جامع حدیثیں جمع کی ہیں، اس کے متعلق حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

اختار فیہ ما ھو اصح وافصح واوجز[5]	اس میں ایسی حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو سب سے زیادہ صحیح سب سے زیادہ فصیح اور سب سے زیادہ مختصر ہیں

[1] مقدمہ کتاب النشر از محمد احمد دہمان طبع دمشق ۱۳۴۵ھ و الضوء اللامع [2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۴۹۷ نیز انسائیکلوپیڈیا آف اسلام [3] ایضاح المکنون میں اس کا نام الاحلال والتعظیم مذکور ہے، بظاہر الاجلال ہی صحیح معلوم ہوتا ہے [4] کشف الظنون ج ۱ کالم ۵۳،

(۲۱) الاولویۃ فی الاحادیث الاولیۃ: اس رسالہ میں اولیات کو بیان کیا ہے[1]

(۲۲) التوضیح فی شرح المصابیح: یہ محدث حسین بن مسعود الفراء البغوی کی مشہور کتاب مصابیح السنۃ کی تین جلدوں میں نہایت مبسوط شرح ہے جو ماوراء النہر میں اس وقت لکھی تھی جب تیمور آپ کو وہاں لے گیا تھا، صاحب کشف الظنون نے اس کا ذکر تصحیح المصابیح کے نام سے کیا ہے، لیکن مورخ سخاوی اور دیگر تذکرہ نگاروں نے وہی نام لکھا ہے جو ہم نے اوپر نقل کیا یہی زیادہ مناسب اور صحیح معلوم ہوتا ہے[2]

(۲۳) الحصن الحصین: یہ الحصن الحصین کا مختصر ہے[3]

(باقی)

[1] ایضاح المکنون ج ۱ کالم ۱۵۱، [2] کشف الظنون ج ۳ کالم ۱۶۹۹ [3] ایضاح ۱ کالم ۶۶۹

اسلام کا سیاسی نظام

اگرچہ اسلامی نظام حکومت کے مختلف پہلوؤں پر ادھر بہت سی کتابیں اور بکثرت مضامین لکھے گئے، لیکن جب یہ کتاب لکھی گئی تھی، اس وقت تک اس موضوع پر اردو میں کوئی کتاب موجود نہیں تھی، لیکن بعض وجوہ سے اس کی اشاعت کی نوبت اب آرہی ہے، کتاب موضوع کے اعتبار سے بہت جامع مکمل اور سیر حاصل ہے، اس میں کتاب و سنت کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کا اساسی خاکہ پیش کیا گیا ہے، اور اس کے ایک ایک جز کی تفصیل کی گئی ہے، شروع میں مولانا مولانا عبد الماجد دریابادی کے قلم سے پیش لفظ بھی ہے،

(مؤلفہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) قیمت: صہ

منیجر

کشف الحقائق

از پروفیسر شیخ فرید برہانپوری ایم اے لکچرار رابرٹسن کالج جبلپور

بزرگان دین اور اولیاء عظام کے ملفوظات کی جہاں دینی برکت اور مذہبی اہمیت مسلم ہے، وہاں ان کی تاریخی عظمت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، ان ملفوظات سے صاحبانِ ملفوظ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے،

خاص خاص اوقات میں ان روشن بزرگوں پر جو کیفیات طاری ہوئی ہیں، ان کا ذکر اور مطالعہ ہمارے لیے باعثِ خیر و برکت اور حصول پند و موعظت کا ذریعہ ہے،

ان کی زبان فیض ترجمان سے جو کلمات وقتاً فوقتاً صادر ہوئے ہیں، وہ ہماری زبان کے ارتقائی پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں،[1]

ان بزرگوں کا طریق یہ تھا کہ مسندِ درس پر یا دوسرے اوقات میں سیر و سلوک کے جو عجیب و غریب نکتے، آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح اور صوفیہ کرام کے عقائد و افکار بیان کرتے تھے، ان کو کوئی مقرب مرید قلمبند کر لیتا تھا۔

چنانچہ ایک سندھی الاصل ایلچپوری المولد برہانپوری المتوطن والمدفن، بزرگ حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ[2] کے ملفوظات ان کے ایک مرید اسماعیل بن محمود سندھی القادری الشطاری الفرحی نے مرتب کیے تھے اور کشف الحقائق اس کا نام رکھا تھا،

---

[1] ماخوذ از بزم صوفیہ [2] حالات اور تصانیف کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم السطور کا مضمون "فارسی ادب کے ارتقا میں برہانپور کا حصہ" کل ہند تعلیمی کانفرنس ۵۲ء ناگپور،

کشف الحقائق سے صاحب ملفوظ اور جامع ملفوظ دونوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، ضمناً صاحب ملفوظ حضرت شاہ عیسیٰ کے پیر و مرشد حضرت شاہ لشکر محمد عارف[1] اور ان کے دونوں بھانجوں شیخ محمد عثمان اور شیخ سلیمان سیفی[2] کا بھی ذکر آگیا ہے،

ملفوظ کے تعارف سے قبل جامع ملفوظ کے مختصر حالات بیان کیے جاتے ہیں، جو کشف الحقائق سے ماخوذ ہیں،

برار کے حاکم تفاول خاں کی وفات کے بعد جب حضرت مسیح الاولیاء کا خاندان برہانپور آکر سکونت پذیر ہوا، تو فرحی کے والد شیخ محمود سندھی بھی ان کے قریب آکر بس گئے اور فرحی برہانپور میں پیدا ہوئے،[3]

فرحی کی پیدایش کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہو سکی، گمان غالب ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے اول عشرہ کا پہلا حصہ ہوگا،

کشف الحقائق میں فرحی نے لکھا ہے کہ وہ مرید ہونے کے بعد بیس سال تک روزانہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد حضرت مسیح الاولیاء کی خدمت میں بلاناغہ حاضر ہوتے رہے،

"این فقیر[4] بیست سال بعد از مرید شدن ہر روز گاہے قبلہ گاہی بعد نماز فجر و عصر مشرف بہ ملازمت می شد و احیاناً ناغہ می گشت۔"

اور یہ معمول ۱۰۳۱ھ، ۱۶۲۲ء[5] تک قائم رہا

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۱۱ھ، ۱۶۰۲ء میں جب اسماعیل فرحی تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے تو ان کو حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا ہوگا،

[1-2] حالات و تصانیف کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم السطور کا مضمون "فارسی ادب کے ارتقا میں برہانپور کا حصہ" کل ہند تعلیمی کانفرنس ۵۲ء ناگپور [3] کشف حقائق، ۱۲۳ ورق، "زاد بوم خود شہر برہانپور است" [4] ایضاً ورق ۸۹ ب۔ [5] تاریخ وصال حضرت شاہ عیسیٰ، ۱۵ شوال ۱۰۳۱ھ، منگل ۱۳ اگست ۱۶۲۲ء، کشف الحقائق ۹۶ ب ورق

عموماً تسمیہ خوانی کے بعد سلسلۂ تعلیم شروع کر دیا جاتا ہے۔ اگر آغاز تحصیل علم کی عمر پانچ یا چھ سال بھی قرار دیجائے تو فرحی کی پیدائش کا سال ۱۰۰۵ھ - ۱۵۹۶ء یا ۱۰۰۶ھ - ۱۵۹۷ء قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ صرف کی اسلیے فرحی نے تھوڑے عرصہ میں علوم ظاہر میں کمال حاصل کر لیا، حضرت نے ان کو فن شعر کے نکات سے بھی باخبر کر دیا۔ اور ایک کتاب رشحات الالٰہیہ مرحمت فرمائی، اس "لطف خاص" کے سلسلہ میں فرحی نے لکھا ہے کہ

"بر ایں ضعیف بسیار لطف و کرم نمودہ کتاب رشحات از خانہ طلبیدہ در گوشۂ آں بخط مبارک کتبہ .... بنام باکنیت ولقب بایں عبارت نوشتہ عنایت فرمودند....

باسمہ سبحان الذی ھو الصلوٰۃ یبالی استحقنھا ھذا الکتاب الرشحات الالٰہیہ من المشائخ الربانیۃ قد وھبت الولد العزیز ابی الفتح سراج الدین اسماعیل بن محمود صانہ اللہ شانہ اوصلہ سبحانہ الی ما دامیۃ عن غیرۃ بحق النبی والہ وصحبہ ومن تبعہ الی یوم الدین ....

مورخاً ۲ شہر شوال ۱۰۲۵ھ[1]

واقعہ ۱۰۲۵ھ کا ہے جو غالباً فرحی کے عنفوان شباب کا زمانہ ہوگا۔

اس کنیت کی رعایت سے ابو الفرح نے اپنا لقب فرحی رکھ لیا۔

فرحی کی خوش نصیبی تھی کہ ان کو حضرت موصوف سے مستفیض ہونے کے لیے بیس سال کی طویل صحبت اور مدت نصیب ہوئی، اور ان کے ذوق وطلب نے ان کو ظاہر و باطن کا فاضل

[1] کشف الحقائق ورق ۱۱۷، ۲ شوال ۱۰۲۵ھ - ۳ اکتوبر جمعرات ۱۶۱۶ء

اور شعر و ادب کا ماہر بنا دیا، "اس قطرہ کو گہر بننے تک جو کچھ گذرا" اسکی تفصیل کشف الحقائق میں مرقوم ہے، ذیل میں دو تین واقعات درج کیے جاتے ہیں جو حضرت موصوف کی توجہ خاص کی نشان دہی کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ مدرسۂ کلاں کی تعمیر[1] کے دوران میں فرحی نے چاہا کہ درویشوں کی اعانت کریں، حضرت مسیح نے جو اس وقت شیخ محمد صدیق کابلی کو عین المعانی[2] کا درس دے رہے تھے ازرہ لطف و کرم" ہاتھ کے اشارے سے بلا کر فرمایا:

"شما بایں کار مشغول شوید یعنی بہ سماع سبق شیخ محمد صدیق"

اور ان کو درس کے دوران میں معرفت و حقیقت کے نکات بڑی توجہ سے سمجھاتے رہے،

ایک دن عین المعانی کے درس میں مسئلہ تجدد امثال کی بحث میں فرحی نے عرض کی کہ اس ضعیف پر یہ نکتہ حل نہیں ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ اولیاء کو بھی اس کیفیت کی اطلاع نہیں[3]، اور باطنی ذریعہ سے ان کو اس کیفیت سے آگاہ کیا،

ایک مرتبہ حضرت مسیح نے اس دور کے ایک بڑے عالم ملا عبد العزیز لاہوری کو ان کے وطن بھیجنا چاہا، تو پیر و مرشد کے تعلقات اور مسئلۂ وحدت کے علاوہ دوسرے اسرار و غوامض بیان فرمائے[4]، اس صحبت میں فرحی کو بھی شریک کیا،

فرحی ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ[5] میں پہلی مرتبہ سفر کے لیے نکلے، اور دو سال تک شمالی ہند اور پنجاب وغیرہ

[1] حضرت مسیح الاولیاء خانقاہ، مسجد اور مدرسۂ خورد میں طلبہ کو درس دیتے تھے جب انکی تعداد میں اضافہ ہوا تو دوسرے مدرسہ کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوئی، اسکی تعمیر میں تمام طلبہ اور خانقاہ نشین فقراء نے حصہ لیا، کشف الحقائق ۱۰۰، ۴۰ ورق،

[2] حضرت مسیح الاولیاء کی نادر روزگار تصنیف اسماء جلالی و جمالی کی بسیط شرح ہے [3] کشف الحقائق ورق ۱۰۰

[4] ایضاً ۹۵ تا ۹۷ ورق [5] حضرت مسیح کا انتقال ۱۵ شوال ۱۰۳۱ھ کو ہوا اور ایک سال دو ماہ بعد یعنی ۱۵ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ بمطابق منگل ۳۰ ستمبر ۱۶۲۳ء کو فرحی نے یہ سفر شروع کیا۔

سیاحت کرکے لوٹے، اس کے بعد ہی دوسرا سفر کیا، اور سات سال تک اطراف ہند کی سیاحت کی، اور کشمیر و کانگڑہ تک گئے اور ان مقامات کے باکمال صوفیہ، علماء اور شعراء سے ملاقات کی، اس سیرو سفر کے جستہ جستہ واقعات بھی انھوں نے لکھے ہیں، کشف الحقایق میں لکھتے ہیں،

"وقتے کہ بعد از وصال حضرت پیر دستگیر یک سال[1] و دو ماہ بگذشت کہ این فقیر بحکم قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدأ الخلق" برائے دیدن مظاہر حق و ملاقات درویشان بزاد بوم خود کہ شہر برہان پور است بمرتبہ اول دو سال و بمرتبہ ثانی ہفت سال در ہندوستان و پنجاب و کاشمیر و کانگڑہ در زمانہ جہانگیر بادشاہ شہر بہ شہر گردید، و مشائخ و فقرائے آں شہر را دید[2]"

مسیح الاولیاء کے وصال کے بعد فرحی تیس سال زندہ رہے، ۱۰۶۱ھ، ۱۶۵۰ء میں وفات پائی،

حضرت مسیح الاولیاء کی صحبت میں فرحی نے شعر و ادب میں بھی بڑی دستگاہ حاصل کر لی تھی، اس کے ادبی و علمی کارناموں میں سے راقم السطور کو صرف دو کا علم ہے، (۱) مخزن دعوت اور (۲) کشف الحقایق، کشف الحقایق میں فرحی کی منظومات اور جستہ جستہ اشعار ہیں، ان کو نقل کیا جاتا ہے تاکہ ان سے فرحی کے ادبی و شعری کمال کا اندازہ ہو سکے،

کشف الحقایق کی ابتداء میں ایک شعر ملتا ہے،

بیقین می داں کہ ایں چندیں عجائب ز ہر یک دل بینا نہا دند

نعت میں ایک مثنوی لکھی ہے، جو بیس اشعار پر مشتمل ہے

محمد کہ بدر منیر آمدہ بہر دو جہاں بے نظیر آمدہ

[1] حضرت مسیح کا انتقال ۱۵ شوال ۱۰۳۱ھ کو ہوا، اور ایک سال دو ماہ بعد یعنی ۱۵ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۶۲۳ء کو فرحی نے یہ سفر شروع کیا [2] کشف الحقائق ورق ۱۲۴

چہ بدرے کہ از نور او آفتاب بود بر چہارم فلک نوریاب

نہ بل آفتاب و مہ ہر چہ ہست ز نور لطیفش ہمہ نقش بست

بنازم بداں شاہ دنیا و دیں کہ دارد دو عالم بہ زیر نگیں

شریعت کہ فرمان آں شہ بود بجا آرد آنکس کہ آگہ بود

طریقت کہ آئین آں سرور است بود شمع راہ دل حق پرست

حقیقت کہ آں عین احوال اوست نگنجد در و ہیچ جز وصل دوست

ہمو کارساز دل و دین ماست ہمو مونس جان غمگین ماست

سزد گر نداریم خوف از جحیم چو او بر سر ماست مارا چہ بیم

ہر قریہ و شہر غوغائے اوست کہ روح مجسم سراپائے اوست

تن او نبودے اگر روح پاک فتادے از و سایہ بر روئے خاک

چہ سایہ نماند از و جمع را چہ روشن کند نور او شمع را

چوں آں مہ ز نور خدائیست و بس چساں بر تن او نشیند مگس

مگس گو نشیند بہ پاک و پلید بپا بوسی او چو زہرہ ندید

ملامت بہ بخت خود آورد پیش بمالد ہمی دست حسرت بخویش

شدہ خوں ازیں حسرت او را جگر ازاں می زند دست ہر جا بسر

چو او بہترین خلائق بود جز او نام او را اگر لائق بود

دگر مرحبا یش ز حرف فضول کجا فکرت تو و نعت رسول

رسولے کہ مدحش بگوید خدا کجا نعت گفتن تواند ورا

تو و نعت او ہیچ حرفے بود کہ دریا نہ در خورد ظرفے بود

نعت رسول مقبول میں عجز و درماندگی کے اعتراف کے بعد اپنے پیر و مرشد کی منقبت میں ایک مثنوی کہی ہے جو بائیس ابیات پر مشتمل ہے،

زہے غوث اعظم کہ از فیض رحماں — زند جوش ہر دم بہ ایجاد امکان

زبدر جبینش جبینش نور احمد — ز لطف کلامش عیاں سرّ قرآن

زباران فیضش دل ہر مریدے — صدف وار پُر شد ز لولوے عرفاں

بہ گلزار عالم دل اوست دائم — ز فیض حقیقی چو فوارہ جوشاں

بطونش چہ گویم کہ بحریست مطلق — منزہ ز وصف اضافات امکاں

ظہورش چہ گویم کہ در ہر دو عالم — ہموں است (؟) کش مرایاے عیاں

ز کنہ جمالش دل من چہ یابد — حبابے چہ گوید ز دریاے عماں

زہے آفتابے حقیقے کہ دائم — بتابد بہ ذراتِ کونین یکساں

شب و روز رویش چو گل ہر شگفتہ — فدایش بہر سو چو بلبل ہزاراں

زہے رہنماے کہ در راہ وحدت — شدہ پیشواے ہمہ پیشوایاں

حقایق پناہا بہ صدر حقیقت — بجز تو نزیبد ز افراد انساں

ز تیغ نگاہے تو افسردہ زاہد — بجذب انا الحق زند جوش افغاں

مرید تو ہر یک بہ بزم مشائخ — چو در دیدہ بینش چو در قلب ایماں

بہ سینہ فراق تو جنت جہنم — ببوئے وصال تو گلخن گلستاں

کسے راکہ بار فراق تو خستہ — مساوی بود تلخ و شیرین دوراں

باہم مسیحا دگر رند زال رہ — کہ احیاے دل ہا بود بر تو آساں

بپاے تو از دیدہ نعلین سازم — شہ اکش بہ بندم ز تم دیدہ و جاں

مگر گاہے از لطف پوشیدہ آئی — بصحن دل من خراماں خراماں

بیابد دلے گو خیالے تو دارد — کہ چوں قلب مومن بود عرش رحماں

چہ داند ترا آنکہ محبوس ماند — تہ بندِ سہ پنج و ایں چار ارکاں

کسے کو ازیں ہا بروں می خرامد — تواند ترا دید اے جانِ جاناں

تو آنی کہ وقت تکلم ز فرحی — کنی آشکارا چنیں سرّ پنہاں

یہ مثنوی جس خدا رسیدہ بزرگ اور متبحر صوفی عالم کی شان میں کہی گئی ہے، اسکی عقیدت پوری شدت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

کشف الحقائق میں نثری مناجات کے بعد شاعر یہ التجا کرتا ہے،

اے کہ زمام ہمہ در دست تو — اشتر ہر شیفتہ دل مست تو

ہست امیدم کہ توئی رہنما — تا دم آخر بہ رہ مصطفےٰ

چارہ بکن چارہ کہ آوارہ ام — واے اگر تو نہ کنی چارہ ام

آمدہ ام از خودی خود بجاں — نیم نگہ کن ز خودی وارہاں

ساز فتیلہ ز رگ و ریشہ ام — شمع فروز از دل غم پیشہ ام

چاشنیِ لذتِ دیدار بخش — بے من و ما قوت گفتار بخش

دل فرحی تو پر از نور کن — محو خود ساز و ز خود دور کن

خاقانی، نظامی، خسرو اور دوسرے مشاہیر شعرا نے اپنے کلام کی جولانیاں دکھائی ہیں، اس میں فرحی کے دو شعر ملتے ہیں،

دلے کو را تو در جان ہمیشہ ذوقِ دین داری — نہ ناقص آمد از چیزے چو کامل ہست ایمانش

چو آدم را ز عصیاں ہر دو چشمش جوئبار آمد — شگفتہ انبیا و اولیاء در صحن بستانش

یہ اشعار اس موقع پر نقل کیے ہیں، جہاں یہ لکھا ہے کہ خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، اور حضرت آدم کے جنت سے نکلنے میں انبیاء، اولیا اور مومنین کے ظہور و آفرینش کا راز پنہاں تھا،

ذیل میں وہ اشعار نقل کیے جاتے ہیں، جو شاعر نے مختلف مقامات پر موقع و محل کی مناسبت سے اس طرح لکھے ہیں گویا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسی موقع کے لیے کہے گئے ہیں،

نگارشِ ملفوظ کی اہمیت کے پیشِ نظر اپنی کوتاہ فہمی کے اعتراف میں لکھا ہے،

خیالِ حوصلۂ بحر می پزم ہیہات   چہاست در سرایں قطرۂ محال اندیش

اس "قطرۂ محال اندیش" کی جسارت دیکھیے کہ جب کام شروع کر دیا تو فرشتہ کو بھی دور باش کہتا ہے،

ملک! بہ عرصۂ معشوق پا منہ گستاخ   کہ زلفِ حور دراں جلوہ گاہ جاروب است

"وادیٔ سلوک و مجاہدہ" کے "بادیۂ خون آشام اور بیابان پر دود و دام" کو کوئی شخص رہنما کی امداد کے بغیر طے نہیں کر سکتا،

ہادیٔ جو کہ دریں بادیۂ خوں آشام   رہ بہ منزل نبرد ہیچ کسے بے رہبر

"سلوک و طریقت" کی راہ میں اس سر و سامان کے ساتھ نکلے ہیں۔

رو بہ غربت دارم و داغ تو بر دل می برم   بار ہجرانِ ترا منزل بہ منزل می برم[1]

بے ثباتیٔ دنیا کے مضمون پر ہمارے شاعروں نے بڑی جولانیاں دکھلائی ہیں، فرحی کی ندرت تشبیہ ملاحظہ ہو:

ایں جہاں بر مثال آں کرفتہ   بر بدن از حصیر نقش و نگار

بعد یک چند در نظر آید   نہ از و ہیچ بود و نے آثار

[1] یہ شعر اس مقام پر نقل کیا گیا ہے جہاں حضرت مسیح الاولیا، کے رہنما سے خضر آسا کی تلاش میں برہانپور سے اکبر آباد کی سمت روانہ ہونے کا ذکر ہے۔ "کشف الحقائق ورق ۱۰

تصوف کی دنیا میں کامل و ناقص کا فرق، جذب منصوری اور کلمۂ انا الحق عام باتیں ہیں، فرحی نے یہ دکھلایا ہے کہ جذب منصوری اس کو عطا ہوتا ہے، جس کا دین پختہ و کامل ہوتا ہے۔ ع

فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

شود چوں اہل دیں کامل، دہندش جذب منصوری   ولے در ہر دلِ ناقص ازاں انکار می روید

عارف کے قبلہ کی جہت

فرحیا! ہر سو کہ بینی روئے او را سجدہ کن   کیں عبادت را بہ یکسو در جہاں محراب نیست

اس شعر میں "ما رأیت شیئاً الا و رأیت اللہ فیہ" کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

احسان کرنے کے بعد جتلانا بہت برا ہے،

چوں مروت می کنی با کس، بر و منت منہ   زاں کہ کار نیکو آں حسبۃً للہ نیست

کثرت میں جلوۂ وحدت

جلوۂ وحدت بہ کثرت ہر کہ بیند در جہاں   عارف باللہ گشت او عاشق جانکاہ نیست

دنیا کے ذرے ذرے سے خدا کا جلوہ ظاہر ہے اور خارجی تعینات کی صورت میں اسرار الٰہی ہویدا ہیں

چوں صفاتِ ذاتِ او را ہر یکے جلوہ نمود   پس چرا آگہ نباشی، زانچہ داری نقد خویش

وحدت وجود کی حقیقت

ما سوا گر نہ تجلیٔ ظہورش نگری   این و آں جلوہ کند پیش تو اصنامے چند

"دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند"[1] کی کیفیت فرحی پر بھی گذری، ابتدائے احوال سلوک میں دل میں خطرات کے ہجوم سے فرحی کے دل پر قبض کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، رمضان میں ایک شب کے آخر میں جبکہ حضرت مسیح الاولیا، اعتکاف میں تھے، حجرے میں داخل ہو کر "دل تنگی" کا ماجرا بیان کیا

[1] حافظ شیرازی

"مرشد از کرم" کی ایک نظر نے اس کیفیت کو دور کر دیا، اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

بود آں شب، شب قدرے نزد من عزیز　　　زاں کہ درو وے فیض پیرم[1] ساخت اہل نسبتم

مندرجۂ بالا منظومات اور اشعار کے علاوہ فرحی کا اور کلام دستیاب نہ ہوسکا، زیر نظر مخطوطہ کشف الحقایق کے باب سوم کے درمیانی حصے کے چند اوراق غائب ہیں، آخری حصہ بھی ناقص ہے، ممکن ہے ان غائب اوراق میں کچھ اور اشعار ہوں،

مخزنِ دعوت ہماری نظر سے نہیں گذری، اس میں بھی فرحی کے اشعار ہوں گے، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانہ کی فہرستِ فارسی مخطوطات میں مخزنِ دعوت کے متعلق حسب ذیل معلومات ہیں،

مخزن دعوت | مخزن دعوت شطاری اذکار پر مشتمل ایک رسالہ ہے، فرحی نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں طویل سفر کے بعد ۱۰۳۶ھ، ۱۶۲۷ء میں یہ کتاب لکھی ہے،

یہ کتاب حضرتِ شاہ عیسیٰ جند اللہ کے نام معنون ہے، کتاب میں غوث گوالیاری کا بھی ذکر ہے،

یہ رسالہ حصن الحصین، کشف الانوار، اسرار الدعوت اور اورادِ صوفیہ پر مبنی ہے،

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے،

(۱) اذان، استنجاء، وضو، غسل (۲) استخارہ و فال مصحف (۳) دعوت اسمائے عظام (۴) ضبط اعراب اسمار اصول و بعضے ادعیہ (۵) اذکار (۶) مراقبات (۷) بیعت کردن و کلاہ و خرقہ دادن، واجبات پیر و مرید، تعریف خلوت دعوات و فوائد و آداب آں،

کشف الحقایق | کشف الحقایق حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہ کا ملفوظ ہے، اس ملفوظ سے صاحب ملفوظ اور جامع ملفوظ دونوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، اور اس میں ضمناً حضرت شیخ عیسیٰ جند اللہ کے پیر و مرشد

[1] فیض پیر کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے کشف الحقایق ورق ۱۱۹

حضرت شاہ شکر محمد عارف ان کے بھائی شیخ سلیمان سیفی اور ان کے مریدوں، عقیدت مندوں اور درویشوں اور طالب علموں کا بھی ذکر ہے،

اُن معاملات، مکاشفات اور تصرفات کا بھی بیان ہے، جو صحت کے ساتھ نقل کیے گئے ہیں، حضرت کے حالات، ان کے خوارقِ عادات، طریقِ بیعت اور طریقِ درس کی پوری تفصیل ہے، اور پیری مریدی کے آداب، مرشد کا ادب، مرشد کی ضرورت، طالب صادق، طلب صادق، عارف، عبادت، صوفی، فنا، بقا، باطن کی جلا، اور تصوف کے دوسرے معاملات پر نہایت عمدگی سے روشنی ڈالی گئی ہے،

صوفی، شکر، صراطِ مستقیم، انسان، مخلوقات، توکل وغیرہ کی اچھوتے انداز میں تعریف کی گئی ہے، اور آسان اور اثر انگیز مثالوں سے ان کے مطالب کو ذہن نشین کرائے گئے ہیں، خانقاہ اور اس کی طریقِ زندگی کی جھلکیاں بھی اس میں نظر آتی ہیں، یہ خانقاہ بے فکر فقراء کا مرکز نہ تھی، بلکہ ایک تعلیمی اور کلچرل ادارہ کی حیثیت رکھتی تھی، اس کا ہر مکین دینی اور دنیوی زندگی کے صراطِ مستقیم پر گامزن تھا،

زیر نظر کتاب کا ایک ناقص الآخر مخطوطہ مولوی سید احکام اللہ صاحب بخاری — پیش امام جامع مسجد، برہان پور کے نادر ذخیرۂ مخطوطات میں محفوظ ہے، مولوی صاحب نے از رہِ بندہ نوازی مخطوطۂ مذکور کی ایک نقل مطالعہ کے لیے مرحمت فرمائی تھی، مخطوطہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں،

"سپاس بلا غایت و ستایش بلا نہایت سزائے ذاتے کہ بحکم مشیتش مشاطۂ فیض را مطلق مخدرات شیون ذاتے را بہ خلوت خانۂ غیب ہویت را در بستان سرائے فیض اقدس در آوردہ و شکل و شمائل نازنین ایشان را بوجہ اجمال و تفصیل مشاہدہ نمودہ"

اس کے بعد ایک مختصر نعت اور پیر و مرشد کی منقبت میں ایک مثنوی جو اوپر نقل کی جا چکی ہے،
منقبت کے بعد سبب تالیف بیان کیا گیا ہے،

"اسماعیل ابن محمود سندھی القادری الشطاری الفرحی کہ از حضرت دستگیر مسکینے یا بی الفرح ملقب بہ سراج است می گوید

چوں ایشان در اکثر اوقات بر مسند درس و غیر آن از زبان خوارق بیان نکتہ ہائے عجیب و اشارات غریب در اطوار سیر و سلوک و مقامات عروج و نزول صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ سرہم عنایت فرمودند و در اغلب بہ غلبۂ اتصاف و معیت حق سبحانہ و تعالیٰ تصرفات حقیقی و مکاشفات تحقیقی از وجود شریف حضرت ارشاد پناہی بہ وقوع آمدند، بنابریں خاطر فاتر ایں ضعیف خطور می کرد، کہ کاش کہ از مریدانِ فاضل و خلفاے مکمل ایں جواہر پُر صفا در بے بہا بدست شوق و ارادت فراہم آوردہ برشتۂ قلم درکشد، تا طالب علمان عقل و دانش و آرائے ارباب حقیقت گردد

چوں مدت مدید و عہد بعید بریں آمد و ہیچ یکے از توفیق رفیق نشدہ و متصدئ ایں کار گشتہ بانصرام رسانید و امورے کہ از حضرت بہ وقوع آمدند، چوں مرقوم و مسطور نمی گشتند، اکثر از یاد می رفتند، چنانچہ گفتہ اند

سخن را بہ نوک قلم بند کن
کہ از یاد مردم گریزد سخن

ناچار در دل فقیر ایں حقیر گذشت کہ ہر چند کہ مرا لیاقت آں نیست کہ چنانچہ باید و شاید ایں را توانم بجا آورد، اما بارے بہر نوع کہ میسر آید غنیمت باید شمرد، پس باوجود قلت بضاعت و ضعف استطاعت در سنہ ہزار و بستم بتصدئ ایں کار گشتہ

نام ایں ملفوظ را کشف الحقائق نہادم"

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ جامعِ ملفوظ کے ذہن میں عرصہ سے یہ خیال تھا کہ کوئی مرید حضرت مسیح الاولیاء کے تصرفات اور مکاشفات کو طالبانِ عقل و دانش کی ہدایت کے لیے ضبط تحریر میں لائے مگر ایک مدت تک جب یہ خواہش پوری نہ ہو سکی تو قلیل البضاعت اور ضعیف الاستطاعت جامع ملفوظ خود فرحی نے ۱۰۲۰ھ ۔ ۱۶۱۱ء میں اس کام کو شروع کیا اور کشف الحقائق نام رکھا، اس ملفوظ کی ترتیب حضرت مسیح کی زندگی میں شروع ہو گئی تھی، مخطوطہ ناقص الآخر ہے، اسلیے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کب ختم ہوئی، مگر فرحی کے دونوں سفروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۴۰ھ۔ ۳۱-۱۶۳۰ء[1] کے بعد کتاب کی ترتیب اختتام پذیر ہوئی۔

ملفوظ پانچ ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول :- در بیان نزاد و بوم آبائی منظم و اجداد مکرم حضرت قبلہ گاہی و انتقال ایشان از وطنِ خود و مولد و مبعث و تحصیل علم پیر دستگیر۔

باب دوم :- در طلب حق و جستجو نمودن حضرت ایشان مربیر اکسیر پر تاثیر را و دریافتن وے۔

باب سوم :- در اشارات کہ بلسان معجز بیان حضرت شیخ منقبت بصدور پیوستہ،

باب چہارم : در معاملات و مکاشفات و تصرفات حضرت ارشاد پناہی۔

باب پنجم :- در بیان اینکہ حضرت سبحانہ و تعالیٰ بر سر ہر صد سالے کہ یکے از کُمّل اولیاء مجدد دین می گرداند۔

---

[1] ۱۰۳۱ھ میں حضرت عیسیٰ کے انتقال کے بعد فرحی نے پہلی مرتبہ دو سال، اور دوسری مرتبہ سات سال تک مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی، اس سیر و سیاحت کا ذکر مخطوطہ میں ہے،

برید فرنگ

بلجیم سے ایک عزیز دوست کے چند خطوط

بنام

سید صباح الدین عبد الرحمٰن

لکسمبرگ، ۲۵-۱-۵۷

مجبی، سلام و رحمت

دن گزرے، راتیں بیتیں، وقت کی سوئیاں تیز بلکہ بہت تیز چلتی رہیں، یہی نہیں بلکہ لیل ونہار کی تجدید سے ماورا ایسی دنیا میں بھی سانس لیتا رہا، جہاں "زمانے کے رو میں نہ دن تھا نہ رات" بس ایک بسیط۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ کو بون (جرمنی) سے لمبے لمبے خطوط لکھا کرتا تھا، اس وقت نوجوان تھا، خزاں میں بہار کے راگ چھیڑا کرتا تھا جس سے رنگا رنگ نغمے پھوٹ پڑتے تھے۔ دریائے رہائن کی شاداب وادیوں کے مناظر سے نگاہ کو تنگیٔ داماں کی شکایت تھی، خدا جانے اس زمانہ میں تخیل کے کتنے شالامار آراستہ کیے، کتنے تاج اور شیش محل بنائے، پھر دفعۃً یہ منظر دھندلے پڑ گئے۔ میں تھا اور وطن کا تھکا تھکا سا ماحول۔ دل ہی دل میں سوچا کرتا تھا کہ اگر غمِ عشق غم ہوتا تو غمِ روزگار سے نجات مل جاتی۔ دو ڈھائی برس کے بعد کلکتہ سے لنکا چلا گیا، جہاں چاندی کے دن تھے اور سونے کی راتیں، دارچینی، الائچی اور صندل کی اس سرزمین

نے پھر خوابیدہ جذبات کو حیاتِ نو بخشی، وہاں سے بھی آپ کو خطوط لکھا کرتا تھا، اس کو بھی ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ اس کے بعد دیس بدیس مارا پھرتا رہا، بغداد کی زیارت کی، مشرقی افریقہ کے پایۂ تخت نیروبی سے رابطہ پیدا کیا، اور چند برس بعد ع پھر آگئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

دو مہینے ہوئے برسلز آیا، جو بلجیم کا پایۂ تخت ہے، یہ ایک بارونق شہر ہے، اور مادی تمدن کی تمام برکتوں سے مالامال، یہاں سے پیرس، لندن اور یادش بخیر بون تین گھنٹوں میں ریل یا کار سے پہنچتے ہیں، اس اعتبار سے گویا برسلز کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لندن تقریباً ہر مہینہ جاتا رہا، پیرس بھی گیا، اے کاش! کہہ سکتا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ گیا۔ لکسمبرگ کی راجدھانی میں جو رانی صاحبہ رہتی ہیں، ان کے ہاں ہر سال جنوری میں جشن منایا جاتا ہے، چنانچہ میں لے "خود آیا نہیں لایا گیا ہوں" کی مجسم تصویر بن کر سیکڑوں غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ ان کے دربار میں حاضری دی۔ عالی شان محل، ملکہ زرنگار محل آراستہ و پیراستہ زینے جن پر سرخ مخمل کا فرش، مہمانوں کا خیر مقدم، ڈنر، ہلکے سروں میں مغربی موسیقی کی آواز...... آدھی رات کو جبکہ مخمورِ شبانہ کا عالم ہوتا ہے، اپنے ہوٹل کو لوٹا تو طبیعت میں نشاط تو نہیں، مگر انبساط کا ہلکا سا رنگ موجود تھا...... اور صبح سو کر اٹھا تو محفلِ شبانہ "شب جائیکہ من بودم" کا اثر باقی تھا،

اب ذرا اس شخص کی بے بسی ملاحظہ فرمایئے، جو قرآن و احادیث کا فریفتہ ہے، خدا جانے قدرت کو کیا منظور ہے کہ ایک طرف تو عالمِ روحانیات کے عکس پڑتے رہتے ہیں، اور میں زمان و مکان کے قیود سے آزاد ہو کر ایک ایسی فضا میں پہنچ جاتا ہوں جسے اردو تو کیا عربی جیسی دولتمند زبان بھی بیان نہیں کر سکتی، ذرا یہ منظر دیکھیے، ڈنر کے بعد گھر لوٹا، رسمی لباس بدلے، عشا کی نماز پڑھی، اور مغربی زبان کا ایک رسالہ لیٹے لیٹے دیکھتا رہا، رفتہ رفتہ نیند کا غلبہ ہوا، پھر اچانک ایسا لمحہ آیا، کہ کتاب ہاتھ سے گر گئی، اس وقت نہ سویا نہ جاگا، کوئی غیر مسموع

آواز آتی رہی جس کو میں خواب اور بیداری کے درمیان دیر تک سنتا رہا، پھر حواس مجتمع ہونے لگے، اور یہ حالات ومشاہدات اپنی تمام جزئیات کے ساتھ چند ہفتوں تک آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتے رہے، یہ طلسم محض تحت الشعور کے ادراک کا اثر ہے جو آنے والے واقعات سے متاثر ہوتا ہے، اگر ان واقعات میں حاضر اور غائب کی کڑیاں ملانا مشکل ہے، نہ میں دیندار ہوں اور نہ علم معرفت سے آشنا، مگر اتنا ضرور ہے کہ قلب کی حفاظت کا ہمیشہ خیال رہا اور اس میں بڑی لذت ملی ہے،

انگلستان آنے سے پہلے قرآن شریف کے بعض مقامات سمجھنے سے قاصر تھا، اب یہ منزلیں آسانی سے طے ہوگئیں، اور لطف یہ کہ بغیر کسی کوشش کے۔ قرآن شریف بھی ایک اتھاہ سمندر ہے، یہ خاکی پیکر اسے بہت کچھ سمجھنے کے بعد بھی بہت کم سمجھ سکا ہے، ایمان بالغیب کے بغیر قرآن مجید کے کون سمجھ سکتا ہے، یوں کہنے کو رازی اور طنطاوی وغیرہ کی تفسیریں اس کی تعبیر سے بھری پڑی ہیں، مگر حجاب مستور تو ایمان بالغیب کے ذاتی تجربہ کے بعد ہی پوری طرح اٹھتا ہے،

میں بھی عجیب انسان ہوں، ایک متضاد انسان جو میکدے میں بیٹھکر پینے والوں پر لعنت نہیں بھیجتا ہے، بلکہ ان سے محبت کرتا ہے، میرے خیال میں ضرورت اس کی ہے کہ محبت کی زبان سے دین کی اشاعت کی جائے نہ کہ لعنت کے ذریعہ، گو یہ نقطۂ نظر انوکھا ہے، معاف کیجیے! آپ کو میکدے سے مدرسے میں لے آیا، شاید یہ بھی ہماری ٹھیٹھ عربیت اور مغربیت کا رد عمل ہے کہ میں دونوں قدروں میں ہم آہنگی نہ کر سکا، کیا لکھنا چاہتا تھا، اور بہک کر کدھر نکل گیا، ایک طرف مادی اشیاء سے رغبت اور دوسری جانب زاہدانہ تصنع، اکبر الہ آبادی نے شاید میرے ہی لیے کہا تھا ؎

لیڈری کا شوق، دینداری کی شہرت کا بھی ذوق ... آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجیے

چلیے خرافات ہی سہی، آپ کو خط پڑھنے میں کوفت تو ہوگی، مگر میرا مقصد پورا ہوگیا یعنی آپ کی یاد جو رہ رہ کر سینہ میں ابھرا کرتی تھی، اس بے معنی خط کے ذریعہ سے ذرا سی تشنگی دور ہوگئی،

(۲)

برسلز، ۲۶ر اپریل ۵۷ء

دیار فرنگ میں رمضان کی برکتیں سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں، اب عید کی آمد آمد ہے مغرب میں عید کا نام لیتے ہی جانے کیوں اکبر الہ آبادی یاد آگئے، شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ انھوں نے لندن میں عید کا جو تصور قائم کیا تھا، وہ ان کے تحت الشعور میں ہوگا،

پہنچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی ... کیک کو چکھ کے سویّوں کا مزا بھول گئے

مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب کہ ہندوستان اور دیار مغرب میں ثقافتی تعلقات کی ابتدا تھی، نہ انگلستان میں اشاعت اسلام کا کوئی مرکز تھا، اور نہ مغربی یورپ میں ہمارے طلبہ صاحب بن کر آیا کرتے تھے، ان کی زندگی میں تمامتر تقلیدی رنگ نمایاں ہوتا تھا، اکبر فرماتے ہیں:

فٹ نفیس سڑک خوشنما ڈنر ہر شب ... یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی

مگر تب اور اب میں کتنا فرق ہوگیا ہے، مشینی تمدن نے جغرافیائی حدود کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے، ہزاروں میل کی دوری اب گھنٹوں میں طے ہوتی ہے، آپ اعظم گڑھ میں ہیں، اگر آپ کے ہاں طاقتور ٹیلی ویژن ہوتا تو میں آپ کو سامنے دیکھتا، دل کی دھڑکنیں بھی سن سکتا، اور پھر لطف یہ کہ آپ یا میں صرف ایک ہی جگہ نہیں، بلکہ ہر گھر میں جہاں یہ سٹ ہے، جلوہ آرا ہیں، بصرہ اور بغداد کے بعض عقل پرست کہتے یہ سنے کہ اگر ایک رات میں آنحضرت صلعم

سو جگہ جلوہ فگن ہوئے، تو اس گتھی کو سلجھائیں کیسے، کیونکہ جسد خاکی تو صرف ایک ہی ہے، اسی طرح عبد القاہر بغدادی نے "الفرق بین الفرق" میں جسمانی معراج کے منکرین کی قلابازیاں دکھائی ہیں، مگر کیا موجودہ ترقیوں کے بعد بھی اس قسم کا استحالہ باقی رہ جاتا ہے، جیسے جیسے ہم ترقی کرتے جارہے ہیں، ایمان بھی راسخ ہوتا جارہا ہے، زندہ باد مشینی تمدن!

مانا کہ یورپ میں مادہ پرستی کا زور ہے، اور ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر کستے ہیں، مگر اس میں گناہ کیا ہے! "فیہ آیات لقوم یتفکرون" کے معنی بھی تو یہی ہیں، کہ ہم قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ کریں، اور صانع حقیقی کی حکمت کو سمجھیں، مجھے ایک نہیں بیسیوں ایسے اہل علم یہاں ملے ہیں جو اس کائنات کو حیرت خانہ کہتے ہیں، اور اس کو ایک ایسے حیرت انگیز دماغ کی صنعت کا نتیجہ یقین کرتے ہیں، جس نے نظام شمسی کی تشکیل کی، سبحان ربی الاعلیٰ، مغرب کے بسنے والے بھی روحانی قدروں سے آشنا ہیں، مانا کہ مذہبی اصطلاح میں آپ انھیں "مسلم" نہ کہیں، یہ میرا تجربہ ہے کہ تجارتی لین دین اور آپس کے تعلقات میں یہ لوگ عموماً جھوٹ نہیں بولتے، عدالتوں میں انصاف ہوتا ہے، رواداری ہے، اور حتی المقدور کوشش کرتے ہیں کہ ان کی کسی حرکت یا تنقید سے دوسروں کا دل نہ دکھے، نہ کسی کی حق تلفی کرتے ہیں، اور نہ مال غصب کرتے ہیں، ان کے یہ اوصاف نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہیں، ہم پانچوں وقت نمازیں پڑھتے ہیں، مگر وہ محض نقالی ہوتی ہے، نماز کا وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر، مگر اس کے باوجود ہر قسم کے منکرات میں مبتلا رہتے ہیں، اور لطف یہ کہ اسکے باوجود خود کو مومن بھی کہتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ یہاں کے میکدے آباد رہتے ہیں، عشرت گاہوں میں جوانیاں جلوہ فروشیاں کرتی ہیں، مگر جزء کا اطلاق کل پر کر دینا صریح ظلم ہے، ع

کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

آپ کو عید سعید کے سلسلہ میں کچھ لکھنا چاہتا تھا، مگر بے پئے بہک کر ریاض خیرآبادی کی طرح جھومتا چلا گیا، عید پر تو حافظ نے ایک سے ایک بڑھکر شعر کہے ہیں، مگر حسن دہلوی کا ایک شعر مجھکو بے حد پسند ہے،

خیز اے خطیب برخواں ہر خطبۂ کہ دانی — در پیش نگر چو عیدے ابرو نماز گاہے

مجاز اور حقیقت کو کس خوبی سے نباہا ہے، میں نے ایک مغربی خاتون کو عید کی اہمیت بتائی اور جب یہ کہا کہ مشرق میں ہم لوگ ہلال عید دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر چلے جاتے ہیں اور چاند دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، تو کہنے لگی کہ تم لوگ فطرت سے بہت قریب ہو، اے کاش میں مشرقی سرزمین دیکھ سکتی، جب خسرو کے ایک شعر کی وضاحت کی جس میں شاعر محبوبۂ دلنواز کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے،

صد ہزاراں ماہ قربانت کنم — اے ہلال عید بر ابروے تو

تو خسرو کو دعائیں دینے لگی کہ اس کے سینہ میں حسن کے لیے بے پایاں وسعت تھی، جب میں کافے سے گھر کی طرف لوٹا تو راستہ میں خسرو کا ایک دوسرا شعر گنگناتا گیا،

کز تو سخنے بہر ولایت — خسرو بہ ولایت خموشاں

یہ خط طویل ہو گیا ہے، گو

مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا

مگر اس میں ہرج ہی کیا ہے، ایک دوست کا وقت برباد کیا اور اپنی تفریح بھی ہوگئی،

(۳)

برسلز، ۱۵ مئی

آپ نے لکھا ہے کہ آپ وینس جانے کے لیے "پا بہ رکاب" ہیں اس محاورہ کو پڑھ کر اکبر الہ آبادی

کیسے زیادہ آتے، ارشاد ہوتا ہے،

محاورات کو بدلیں برائے ریل جناب

ٹکٹ بدست کہیں اب بجائے پابرکاب

عید یہاں بڑے دھوم دھام سے منائی، اسلامی ممالک کے جو سفراء ہیں، انھیں دعوت دی گئی، جب یہ سفراء اور ان کے عمال ہمارے سفارت خانہ میں جمع ہوئے، تو یہاں کے متضاد ماحول سے اسلامی فضا اور زیادہ پاکیزہ معلوم ہونے لگی، امامت کے لیے قرعۂ فال بنام منِ دیوانہ زدند، چونکہ اکثریت ایسے مسلمانوں کی تھی جن کی مادری زبان عربی تھی، اس لیے نماز کے بعد اس گنہگار نے خطبہ عربی میں دیا، جس میں اخوت اسلامی پر زیادہ زور دیا، ایک زمانہ تھا کہ علی گڈھ میں ام، اے کے بعد صحیح معنوں میں عربی کی ابتدا ہوئی تھی، بون میں تاریخ اسلام، عربی تمدن اور کتابیات سے واقفیت ہوگئی تھی، مگر جہاں تک عربی بول چال کا تعلق ہے، خون لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے ہی تک معاملہ رہا، ملازمت کے سلسلہ میں جب بغداد گیا تو بڑی مناسب اور سازگار فضا ملی، روزمرہ جو عام طور پر مروج ہے اسے ہمارے بڑے سے بڑے عالم بھی نہیں سمجھ سکتے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لغت وراجہ میں تو ہر جگہ اختلاف کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ بغداد میں سب سے پہلے تو بقدر ضرورت لغت وراجہ سیکھی، جس میں صرف و نحو کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہے، اس کے بعد ادیبوں اور عالموں سے تعلقات پیدا کیے، پہلے پہل تو عربی بولتے وقت ذرا جھجھک محسوس ہوتی تھی، مگر درس نظامیہ کی تمام کتابیں بون میں دیکھ چکا تھا، اس لیے رفتہ رفتہ زبان صاف ہوتی گئی، اور پھر ایک ایسے دور سے گذرا جب کہ ہمارے رفقاء میں علامہ بہجۃ الاثری، ڈاکٹر جواد علی اور دیگر اہل علم شمار ہونے لگے، بات یہ ہے کہ کلاسیکی عربی میں ایک لوچ ہے، ایک دل آویزی ہے، الفاظ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ نازک سے نازک

خیالات الفاظ میں مقید کیے جا سکتے ہیں، اس عربی فضا میں صرف یہی نہیں ہوا کہ عراقی لہجہ میں بولنے لگا بلکہ احباب کے اصرار پر المجمع العلمی میں اقبال کے خیالات کی ترجمانی بھی کی،

میں عراق دو سال رہا، نہ پوچھیے کہ اس مدت میں ان آنکھوں نے کتنی ادبی مجالس دیکھیں اور کتنی فردوس گوش باتیں جزوِ حیات بن گئیں، بغداد اب بھی پر اسرار ہے، وہاں اب بھی درویشوں کے آستانے ہیں، روحانیات کے عالم ہیں، آبادی کے تناسب سے اہلِ علم کی تعداد بھی قابلِ تحسین ہے، اسلام کی چنگاریاں بھی ہیں،

میں آپ سے متفق ہوں کہ چراغ مصطفوی تو اندھیری راتوں میں زیادہ روشن ہوتا ہے،

اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں وہ رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی ہیں، مگر ہمارے نزدیک جو سب سے بڑی خامی ہم میں پیدا ہوگئی ہے، وہ یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے نئے تمدن کی بنیاد ڈالی اور بغداد و قرطبہ میں حیرت انگیز علمی و تمدنی خدمات انجام دیں، اس لیے اگر آئندہ ترقی کے مدارج طے کرنا ہیں یا اسلامی روایات کو از سر نو زندہ کرنا ہے تو عباسیۂ بغداد یا امویۂ اندلس ہی پر نظر ڈالنا اور ان ہی سے استفادہ ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ حکومتوں نے نہیں بلکہ قرآن نے مسلمانوں کو بنایا ہے، ایسی حالت میں ہم اصل سرچشمہ کی طرف کیوں نہ رجوع کریں؟ عباسی دور میں عرب اور عجم کے امتزاج سے یقیناً ایک قابلِ رشک تمدن وجود میں آیا، اسی طرح گوتھک اور بنو امیہ کے میل جول سے اندلسی فن تعمیر، موسیقی وغیرہ کو فروغ ہوا، میں تو اکثر سوچتا ہوں کہ بغداد و قرطبہ کی کورانہ تقلید لغو ہے، ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان قرآنی تصور حیات کو سامنے رکھ کر ایک نیا سماج عالمِ وجود میں لائیں، ظاہر ہے کہ ایسے معاشرے اور تمدن میں جو اسلامی رنگ نمایاں ہوگا، وہ زیادہ بہتر ہوگا، اور کیا عجب ہے کہ ہم تمدنی حیثیت سے بھی تاج سے زیادہ قابلِ رشک عمارت بنا سکیں، ہم نے پہلے یونان، چین اور ہند سے علوم سیکھے

اب لندن، نیویارک اور پیرس سے سیکھ رہے ہیں، مگر اس دور میں جو خلا نظر آتا ہے، وہ یہ کہ ہم نے غیر ملکی علوم کو بدیسی رنگ میں سمیٹ لیا، اگر ان علوم پر ملکی سی بھی دانش اسلامی قدروں کی ہو جاتی تو اس کا حسن دوبالا ہو جاتا۔

خدا کرے آپ اپنے وطن دیسنہ میں مع الخیر ہوں، دیسنہ کو سید صاحب مرحوم کی نسبت سے حیات جاوید حاصل ہے، آئندہ جب ان کے حالات قلمبند کیے جائیں گے تو دیسنہ کا نام احترام سے لیا جائے گا، پٹنہ میں شکرنہسہ کے قریب ایک جگہ ہے، اس کے بارہ میں ایک المانوی مستشرق نے لکھا ہے کہ میر محب اللہ کا یہ مولد ہے، یاد ش بخیر ہمارا وطن کراے پر سرائے بھی علمی روایات کا حامل تھا، ڈیانوان میں مولانا شمس الحق نے سنن ابی داؤد کی شرح لکھی تھی۔

محبت کیش

اختر امام

رحمتِ عالم

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مقبول تصنیف جو مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لیے عام فہم اور سلیس زبان میں لکھی گئی تھی، اور پہلے ہی اڈیشن کے بعد ہندوستان کے اکثر مدارس و مکاتیب کے نصاب تعلیم میں داخل کر لی گئی تھی، اب نہایت اہتمام سے دوبارہ چھاپی گئی ہے۔

قیمت: عہ ۱۲ / منیجر

مطبوعاتِ جدیدہ

حیاتِ سرورِ کائنات (جلد دوم) — مولفہ ملا واحدی صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۵ صفحات، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۸ ؎

پتہ: دفتر نظام المشائخ ۱۴۲ جیکب لائنز، کراچی۔

اس کتاب کا پہلا حصہ سال ڈیڑھ سال ہوئے شائع ہو چکا ہے، جو سوانح نبوی پر مشتمل تھا، اس حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل اور اسلام کی بعض ضروری تعلیمات اور دوسرے اہم مسائل کی تفصیل و تشریح ہے، اور آپ کی معاشرت، گھریلو زندگی، نبی اور نبی کے قول و عمل کا مقام، رسول اور اولی الامر، غزوات و سرایا کے مقاصد و مصالح، غلامی کا انسداد، اسلامی نظام معیشت، سرور کائنات کی جہانبانی، آپ کے معجزات، اسلام اور فرقہ بندی، اسلامی اصول تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ختم نبوت، اور رحمۃ للعالمین کے عنوانوں کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتوں، آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور مذکورہ امور و مسائل کے متعلق اسلامی تعلیمات اور اسوۂ نبوی پر اس دلنشین انداز میں بحث کی گئی ہے، جس سے اسوۂ نبوی کی اکملیت، اسلامی تعلیمات کی جامعیت اور ان کی حکمت پوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے، اور ان کے متعلق جو غلط فہمیاں ہیں اور اس پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ دور ہو جاتے ہیں، عہد حاضر کے بعض پیچیدہ مسائل کا اسلامی حل بھی سامنے آ جاتا ہے، اور اس زمانہ کے بعض مذہبی فتنوں کا جواب بھی ہو جاتا ہے، غرض اس مختصر کتاب میں لائق مصنف نے بہت سے ایسے مسائل کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے، جن کی اسلامی نقطۂ نظر سے تشریح

وضاحت کی ضرورت تھی، مصنف کی کہنہ مشقی، انداز بیان کی دلکشی اور زبان کی سادگی و سلاست پوری کتاب میں نمایاں ہے، اور اپنے اختصار و جامعیت کے لحاظ سے ہر پڑھے لکھے مسلمان کے مطالعہ کے لائق ہے،

زجاجۃ المصابیح ۔ مولفہ جناب مولانا ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۴ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سے ر پتہ: مولف محلہ حسینی علم چوبلی، پوسٹ آفس نمبر ۲ حیدر آباد دکن،

مشکوٰۃ المصابیح حدیث نبویؐ کی بڑی مشہور و مقبول کتاب ہے، خصوصاً ہندوستان میں اس کو جو مقبولیت حاصل ہے اور علماء نے اس کے ساتھ جو اعتنا کیا ہے، وہ صحاح کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں سے کم کیا گیا ہے مگر اس کے جامع خطیب تبریزی شافعی تھے، اس لیے انھوں نے قدرۃً اس میں شافعی مذہب کی زیادہ رعایت رکھی ہے، اور مشکوٰۃ میں شافعی مسلک کی موید حدیثیں زیادہ ہیں، اس لیے مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب نے حنفی نقطۂ نظر سے اسی طرز کا یہ مجموعہ زجاجۃ المصابیح کے نام سے مرتب کیا ہے، اس کے دو حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں، یہ تیسرا حصہ ہے، ان تینوں حصوں کے ابواب کی ترتیب قریب قریب وہی ہے جو مشکوٰۃ کی ہے، صرف یہ فرق ہے کہ مشکوٰۃ کے ہر باب کی حدیثیں تین فصلوں میں تقسیم ہیں، اور اس میں ایک ہی باب میں ہیں، کوئی فصل نہیں ہے، یہ کتاب حنفی نقطۂ نظر سے مرتب کی گئی ہے، اس لیے مشکوٰۃ میں جہاں فقہ شافعی کی رعایت ہے، اس میں فقہ حنفی کی رعایت رکھی گئی ہے، ہر باب کا آغاز صحیح بخاری کے طرز پر اس کی مندرجہ احادیث کی مناسب آیات سے کیا گیا ہے، حواشی میں احادیث کی ضروری تشریح، ان سے حنفی مسلک کا استنباط اور اس کی موید دوسری آیات اور فقہ کی کتابوں سے اس کی تائید مزید کی گئی ہے، اور جن مسائل پر اعتراض کیا جاتا ہے، ان کا جواب دیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب احادیث نبوی کا منتخب مجموعہ بھی ہے اور فقہ حنفی کی موید و ترجمان بھی، مولف علام نے یہ کتاب مرتب کر کے حدیث نبوی اور فقہ حنفی دونوں کی ضاحت سفید خدمت انجام دی ہے اور یہ اس لائق

ہے کہ اس کو احناف کے مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

نوائے آزادی ۔ مرتبہ جناب عبد الرزاق صاحب قریشی تقطیع بڑی، عمدہ کاغذ پر خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، قیمت باختلاف جلد عہ ؍ اور للعہ ؍ پتہ (۱) مکتبہ جامعہ جامعہ نگر دہلی، (۲) مکتبہ جامعہ، پرنس بلڈنگ، بمبئی نمبر ۳

ہندوستان کی سیاسی بیداری اور تحریک آزادی میں اردو کا بڑا حصہ ہے، اسی نے اس زمانہ میں جنگ آزادی کی رجز خوانی شروع کی جب دوسری زبانوں کو اس کا احساس و شعور بھی نہ تھا، اور اردو کی نظم و نثر میں اس کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے وہ ہندوستان کی کسی زبان میں نہیں مل سکتا، اس کتاب میں اس کو ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے، کتاب کے شروع میں مرتب کے قلم سے ایک مقدمہ ہے جس میں اردو کی سیاسی خدمات پر مختصر اور جامع تبصرہ ہے، کتاب کا آغاز ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق علماء کے فتاوی اور امراء و حکام کے احکام و فرامین سے کیا گیا ہے، بعض فرامین اور اس دور کے اردو کے اخبارات کے فوٹو بھی دیدیے گئے ہیں، اصل کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں دلی کی تباہی، اور حب وطن، دوسرے میں برطانوی حکومت اور غلامی کے احساس، تیسرے میں پہلی جنگ عظیم اور اس کے نتائج، تحریک خلافت و ترک موالات اور عوام کی بیداری، چوتھے میں سول نافرمانی کی تحریک، دوسری جنگ عظیم، ۱۹۴۲ء کی بغاوت اور ہندوستان کی آزادی تک کا لٹریچر ہے، جس میں غالب اور سر سید سے لیکر موجودہ دور تک کے وطن دوستوں، قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں اور اخبارات کے مضامین اور مشاہیر شعرا کی نظموں کو اس طرح جمع کر دیا گیا ہے جس سے اردو کی سیاسی خدمات کے ساتھ ہندوستان کی آزادی کی اجمالی سرگذشت بھی سامنے آجاتی ہے، کتاب بڑی تلاش و محنت سے لکھی گئی ہے، اور اس میں بڑے اہم سیاسی مضامین اور نظمیں آگئی ہیں، کوئی مشہور لیڈر اور شاعر چھوٹنے نہیں پایا ہے، لیکن اس کی حیثیت محض نمونے کی ہے، اس لیے کہ اردو زبان میں ہندوستان کی آزادی کے متعلق جس قدر لٹریچر ہے، اگر اس میں سے

صرف قومی و سیاسی نظمیں ہی جمع کر دیجائیں تو بھی کئی جلدوں میں آئیں گی۔ لائق مرتب نے یہ کتاب لکھکر ایک مفید سیاسی و ادبی خدمت انجام دی ہے، اردو کی اس عظیم الشان ملکی و وطنی خدمات کا صلہ آج اسکو یہ مل رہا ہے کہ اس کو آزاد ہندوستان اور خود اس کے وطن سے اس کو بے دردی کے ساتھ مٹایا جا رہا ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ مولفہ جناب شورش کاشمیری تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد صر پتہ: مطبوعات اخبار چٹان میکلوڈ روڈ، لاہور

پنجاب کے بڑے اور مشہور لیڈر، دو تھے، جن کا اثر ایک زمانہ میں پورے ہندوستان میں تھا مولانا ظفر علیخاں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مؤلف کو ان دونوں سے عقیدت ہے اس کا حق انھوں نے ان کے حالات لکھکر ادا کیا، مذکورۂ بالا کتاب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے حالات و خصوصیات کا مرقع ہے، مولانا ظفر علیخاں کی طرح ملک و ملت کی راہ میں شاہ صاحب کی بھی بڑی قربانیاں اور بڑے کارنامے ہیں، ہندوستان کی جنگ آزادی میں شروع سے آخر تک وہ ایک پرجوش مجاہد کی طرح شریک رہے، مجلس احرار کے قیام کے بعد اس کی روح رواں بن گئے تھے پنجاب کے مسلمانوں کی اصلاح اور قادیانیوں کی حقیقت بے نقاب کرنے میں ان کا خاص حصہ ہے، وہ ایک بے مثل خطیب ہیں انکی خطابت خطابت نہیں ساحری ہے اور ایک زمانہ میں پورا ہندوستان ان کی خطابت سے گونجتا تھا جس تحریک میں وہ شریک ہوتے تھے، اس کا صور پورے ہندوستان میں پھونک دیتے تھے، مجلس احرار کا زیادہ اثر پنجاب میں تھا، اس لیے پاکستان کے قیام سے کچھ پہلے شاہ صاحب کا دائرۂ عمل پنجاب میں محدود ہوگیا تھا، اگرچہ مجلس احرار کا خاتمہ ناکامی پر ہوا، مگر ایک زمانہ میں اس نے پنجاب میں بڑے کارہائے نمایاں کیے تھے، اس کتاب میں یہ پوری سرگذشت آگئی ہے، اور مصنف کے پرزور قلم نے شاہ صاحب کے اوصاف و خصوصیات کی ایسی کامیاب مصوری کی ہے کہ اسکا پورا مرقع سامنے آجاتا ہے، مولف ایک صحافی ہیں اور ان پر خطابت کا اس قدر غلبہ ہے کہ ان کی ہر تحریر میں ان دونوں کا رنگ آجاتا ہے، اس لیے کہیں کہیں ان دونوں کی خامیاں بھی نظر آتی ہیں۔

"م"